تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

۱۱ صفر ۱۳۸۸ھ
مطابق ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء

شعبہ تعمیر و ترقی
دارالعلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

قیمت فی پرچہ ۳۰ پیسے
چندہ سالانہ سات روپیہ

اڈیٹر — سید محمد الحسنی
معاون — سعید الاعظمی ندوی

Regd - No. L 1981
Phone No. 22948

TAMEER-E-HAYAT

(FORTNIGHTLY)

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

القراءة الراشدة

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ کی مشہور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسلامی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی تعارف، لمحات حاضرہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اس کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]

تمرین الصرف • تمرین النحو

جب ہمارے مدارس میں کم عمر کے طلبہ داخل ہونے لگے ہیں، پڑھانے والوں کو اس کا احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ صرف و نحو کی پرانی کتابیں ان کے سن و سال، ذہن و طبیعت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں، دارالعلوم نے اسی بات کے پیش نظر بچوں کیلئے صرف و نحو کا نیا نصاب تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے اور اس کی دو کتابیں تمرین الصرف و تمرین النحو چھپ گئی ہیں، یہ دارالعلوم کے فضلاء مولانا محمد مصطفیٰ ندوی، مولانا عبدالماجد ندوی، مولانا معین اللہ ندوی نے مرتب کیا ہے۔

قیمت بالترتیب [illegible]

منثورات

از: مولانا [illegible] ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار نمونوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے کمال، اسلام کی بلاغت کے ساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

مختارات

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے، اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

Cover printed at Nadwa Press, Lucknow.

۱۱ صفر المظفر ۱۳۸۸ھ
مطابق
۱۰ مئی سنہ ۱۹۶۸

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ

چندہ
سالانہ سات روپے
ششماہی چار روپے

جلد نمبر (۵) | شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ | شمارہ نمبر ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ دور میں!
اسلامی تعلیم کی اہمیت و ضرورت

(از- حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ)

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے اور اپنی ذات کی معرفت عطا کرنے اور اسکا صحیح تعارف کرانے کے لئے جو عقل و قیاس سے ماوراء ہے اور جس کی کوئی مثال اور نظیر اس دنیا میں موجود نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام کے گروہ کو منتخب فرمایا، اپنے کلام اور پیغام کے ذریعے ان کو پھر ان کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنی ذات و صفات کا صحیح اور مستند علم عطا فرمایا اور اپنے منشار اور احکام اور زندگی گذارنے کے پسندیدہ طریقہ سے آشنا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی بندگی کے صحیح قاعدے اور زندگی گذارنے کے پسندیدہ طریقے کو معلوم کرنے کا ان پیغمبروں کی اطلاعات اور تعلیمات کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں، یہ عقل و ذہانت، قیاس آرائی و طبع آزمائی، خواہشات اور قومی رسم و رواج کا میدان نہیں اس کے لئے اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ دنیا کا پیدا کرنے والا خود اس کی خبر دے اور وہ اس کی خبر دے اور وہ اس کی خبر پیغمبروں ہی کے ذریعہ دیتا ہے اس لئے اس علم و ہدایت کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی ہیں قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت طریقۂ زندگی کی صحت، اعمال کی قبولیت اور انسانوں کی مقبولیت اسی گروہ انبیاء کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے، انھیں کے تعلیم کئے ہوئے عقائد، ان ہی کی عطا کی ہوئی معرفت ان ہی کے لائے ہوئے حقائق اور علوم اور ان ہی کا طریقۂ زندگی ان ہی کی معاشرت اور اخلاق اللہ تعالیٰ کو محبوب اور مقبول ہیں۔

ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں ابراہیمی اور محمدی تہذیب کے حامل اور امین ہیں

ہندوستان کے اس ملک میں جہاں سیکڑوں تہذیبیں مذاہب اور فلسفے پھلے پھولے اور اب بھی موجود ہیں، مسلمان ابراہیمی تہذیب کے نمائندہ اور علمبردار ہیں، ان کے یہاں آنے کا مقصد اسی دین و تہذیب کی تبلیغ و اشاعت اور ان کے رہنے کی غرض و غایت اسی دین و تہذیب کی بقا اور حفاظت ہونی چاہئے اور اسی میں اس ملت کی حفاظت اور اللہ کی نصرت کا راز پوشیدہ ہے۔

ہندوستان میں جس کے غالب مذہب اور تہذیب نے بیسیوں مذاہب اور تہذیب کو اپنے مذہب اور تہذیب میں تحلیل کر دیا اور ان کی انفرادیت اور امتیازات کو مٹا دیا، اسلام کے اپنے امتیازی شکل اور اپنی جداگانہ تہذیب کے ساتھ اتنی طویل مدت تک باقی رہنے کا راز یہی ہے کہ اس نے تہذیب و خصائل ابراہیمی سے اپنا رشتہ قائم رکھا، اور اپنے مخصوص عقیدۂ توحید و رسالت سے انحراف گوارا نہیں کیا، اب بھی اس کی حفاظت اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے مرکز سے اپنا رشتہ قائم رکھے اور اپنے "سرحدی خط" کو

ملنے نہ دیں۔

ہمارے دو فیصلے

ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے یہاں آنا تو ہمارے اختیار میں نہ تھا، یہاں ہمیں تقدیر الٰہی اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر لائی لیکن یہاں رہنے کا فیصلہ ہم ضرور کر سکتے ہیں، ہمارے اس فیصلہ کو ارادہ الٰہی کے سوا کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی مجبوری یا بیچارگی پر مبنی نہیں، ہمارے آس پاس اور دور و نزدیک بہت سے اسلامی ملک ہیں جہاں ہم منتقل ہو سکتے ہیں لیکن ہم نے سوچ سمجھ کر یہیں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد دینی و شعائر اور اپنی پوری مذہبی اور تہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

ہندوستان کے دستور نے ہمیں اس ملک میں نہ صرف رہنے کی آزادی بلکہ اس نے ہمارے رہنے کا خیر مقدم کیا ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا فیصلہ ہے جب دستور نے ہم کو اس ملک میں رہنے کی آزادی دی ہے اور اس کا استقبال کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ ہم اپنی خصوصیات اپنے عقائد و شعائر اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں، اس ملک میں رہیں اس لئے کہ اس طرح رہنے سے یہ وطن وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے اس لئے جب ملک کا دستور ہمیں رہنے کی آزادی دیتا ہے اور ہمارے حقوق کا تحفظ کرتا ہے تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہم کو ہماری خصوصیات کے ساتھ رہنے کی اجازت دیتا ہے اور اس کا انتظام کرتا ہے، ہمارا ضمیر ضرور اس ملک کی خاک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں بھی رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو اس کی تہذیب ابراہیمی ہوگی، ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، داروغوں اور غلاموں کی طرح اس ملک میں رہنا ہمیں منظور نہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں اور اس کی تعمیر و ترقی میں شریک اور اس کی دستور سازی میں دخیل ہیں اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم غلاموں طرح زندگی بسر کریں، اگر ہم ان تمام خصوصیات کے ساتھ نہ رہ سکیں تو ہم کو سنجیدگی سے سوچنا پڑے گا کہ ہمارے لئے اس ملک میں رہنا جائز بھی ہے یا نہیں، اس وقت ہم کو کھانا، سونا بلکہ زندگی کی ایک سانس بھی لینا گناہ ہوگا۔ یہ بات اسی ملک پر منحصر نہیں ہے جس ملک میں بھی ہم اپنی مخصوص تہذیب کے ساتھ نہ رہ سکیں وہاں سے متعلق ہمارا رویہ یہی ہوگا۔

اسلام کی بقا کیلئے جد وجہد

جس طرح ہم اپنے ایمان اور ارکان اسلام کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور اس کے لئے ہر ضروری انتظام ہمارا دینی فریضہ ہے اسی طرح مسلمانوں کی نئی نسل کیلئے دینی تعلیم کا انتظام اور مشرکانہ تعلیم کے اثرات سے بچانے کی جد وجہد کا فریضہ، جہاد اور افضل و مقدس ترین عبادت ہے اس لئے کہ اگر کسی درخت کو درخت کے دشمنوں سے بچانے اور اسکو سینچنے اور پانی دینے غفلت برتی گئی ہے تو وہ درخت زندہ اور سرسبز نہیں رہ سکتا اور اس سے پھل پھول کی توقع خام خیالی ہے، ہندوستان میں اسلام کا درخت اسی طرح اسلامت اور سرسبز اور بار آور رہ سکتا ہے کہ اسکی حصار بندی اور آبیاری کی کوشش کی جائے۔ ہماری آئندہ نسلیں جب ہی مسلمان رہ سکتی ہیں جب ان کی اپنی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے، اسلام کسی نسل و نسب اور قومیت کا نام نہیں جس کے لئے کسی فیصلہ اور ارادہ یا عقل و شعور کی ضرورت نہیں، ہر برہمن کا لڑکا برہمن ہے اور شیخ و سید کا لڑکا شیخ زادہ و سیدزادہ ہے اس کے لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، اسلام کا انحصار اپنے ذاتی فیصلہ و ارادہ اور عقل و شعور پر ہے، ایسا دین حوادث و انقلابات کے اس دور میں بغیر صحیح تعلیم اور مستحکم تربیت کے باقی نہیں رہ سکتا۔

اس سب کا مقصد اور پیغام تھے کہ ہمیں اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور زندگی کی ہر منزل پر اس کو یاد رکھنا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی اور امت محمدی کے فرد، اور ایک مخصوص شریعت آئین و مسلک زندگی کے پیرو اور خدا کے موحد اور وفادار بندے ہیں، ہماری زندگی بھی اسی آئین و مسلک کی وفاداری میں گذرے اور ہمیں موت بھی اسی حال میں آئے، ہماری موجودہ نسلیں بھی اسی راستہ پر گامزن رہیں اور ہماری آئندہ نسلیں بھی اسی صراط مستقیم پر چلیں۔

بقیہ "یروشلم"

خود جولین پابندی کے ساتھ چاند تاروں دیوی دیوتاؤں پر عقیدت کے پھول چڑھانے لگا۔ وثنیت کے احیاء کے بعد بہت سے نقاب پوش عیسائی پھر عریاں ہو کر منظر عام پر آگئے، سب عیسائیت سے مرتد ہو کر اپنے خداؤں کے دن پھیرنے لگے، سرکاری مذہب پھر وثنی قرار دے دیا گیا۔

جولین فطری طور پر خداؤں کی تعداد میں اضافہ کرنے کا دلدادہ تھا، اس نے یہودیوں کے قومی خداؤں کو بھی وثنی خداؤں میں شامل کر لیا۔ گبن رقمطراز ہے

جولین عیسائیوں کا سخت دشمن تھا، دولت علم اور معتمد کے مناصب سے انھیں برطرف کر دیا، عیسائی ملازمین کی اکثریت سرکاری دفاتر سے ہٹا دی گئی، مرکز اور صوبوں بلکہ افواج میں بھی اسی پالیسی پر عمل جاری رہا۔

فاتح عیسائیت وثنیت کی مفتوح

مسیحی یروشلم میں شرک کا آغاز

جولین کی تخت نشینی کے بعد سے سلطنت روما کا اتحاد پھر ختم ہو گیا، عیسائی اور وثنی گروہوں میں تصادم جاری رہا، وثنی شہنشاہوں کے دور میں رومی خداؤں کا بول و بالا رہتا۔ اور عیسائی شہنشاہوں کے دور میں پادریوں کا بول و بالا رہتا یہ کشمکش آخری طور پر تھیوڈیسیس۔ بقیہ ص ۱۶

گذشتہ سے پیوستہ

سود و زیاں کی میزان میں

تحریر: — حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی
ترجمہ: — مولوی شمس تبریز خاں صاحب قاسمی

میرے دوستو! کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ ہم واقعی مومن بن جائیں۔ اور ایمان کی آتش زندہ سے پھر اپنی جانوں کو پرسوز کریں جو باطل کے ہر خس و خاشاک کو جلا سکتا ہے، جب ایمانی حرارت اور زندگی کے شعلہ کی بازیافت ہم کرینگے، تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی! ہم نے ماضی میں اسلام کے ساتھ خلوص برتا اور اسلام ہماری رگ و پے میں سما گیا — جاہلیت کے ہر شعار سے ہم الگ ہو گئے اسلام کی شعل ہم نے ہاتھوں میں لی تو ہم دنیا کے سردار بن گئے اور سارے عالم پر حکمراں ہوئے اور ہمارا عقیدہ تہذیب، ادب و اخلاق، علم و فن، حیرت انگیز طور پر دنیا میں پھیل گیا جو کسی زبان و تہذیب کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آیا، چنانچہ عربی زبان علم و ثقافت کی زبان بن گئی اور ہر ملک کے مسلمان باوجود نسلاً عجمی ہونے کے فکر و فلسفہ، علم و فن، بحث و نظر کے لئے اس زبان کا سہارا لینے لگے، اور اس پر فخر کرنے لگے ؎

مرا ساز گرچہ ستم رسیدۂ زخمہائے عجم رہا
وہ شہید ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

آپ ان عظیم علماء سے واقف ہیں جو مختلف صدیوں میں عالم اسلامی میں اٹھے، یہ ابو علی فارسی جار اللہ زمخشری، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کون تھے؟ یہ سب عجمی تھے، پھر کس چیز نے انہیں عربی پڑھنے اور اس کے سیکھنے پر مجبور کیا تھا؟ امام غزالیؒ نے اپنی محبوب کتاب احیاء علوم الدین پہلے عربی میں لکھی ہے اور پھر اسے اپنی مادری زبان فارسی میں منتقل کرتے ہیں، اور یہ اس کے باوجود کہ وہ ایرانی تھے اور طوس کے رہنے والے تھے، — اور دوسرے مشاہیر عربیت کا شمار کون کر سکتا ہے۔

میں آپ سے علوم دینیہ کا ذکر نہیں کر رہا ہوں اس لئے کہ دینی خدمات کے اسباب و محرکات تو ہمیشہ بہت طاقتور رہے۔ آپ شاید یہ سمجھیں کہ یہاں بھی وہی دینی جذبہ کام کر رہا ہوگا حالانکہ یہاں تو خالص زبان و ادب کا ذکر ہے، جہاں کوئی مذہبی احساس کم ہی ہوتا ہے اور وہاں کوئی سیاسی و جغرافی محرک بھی نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوصف وہاں عربی کی فضیلت مسلم سمجھی جاتی ہے، اور اس کے باوجود کہ وہاں کے لوگوں کی عجمی زبانیں مادری زبانیں ہوتی ہیں اور سب ادبی سرمایہ بھی رکھتی ہیں، لوگ عربی کے قائل نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ کا ذکر کروں گا کہ میں ۱۹۶۰ء میں کیرالا میں تھا جو ہندوستانی تہذیب کا قدیم مرکز ہے لیکن وہاں بھی بعض اوقات مجھے عربی زبان کو رابطہ کی زبان بنانا پڑا، آخر کس چیز نے عربی کو یہ قبولیت عام بخشی کہ وہ مقامی زبانوں پر بھی فائق نظر آتی ہے؟ اس کا واحد جواب یہی ہوگا کہ دینی جذبات، دینی رجحان ہی یہاں اصل محرک تھے، قرآن و سنت اور اسلام ہی کا رشتۂ وصل ہے جس نے ایسے دور دراز علاقوں کو ایک دوسرے سے قریب کر رکھا ہے، اگر خدانخواستہ یہ رشتہ کٹ گیا، جیسا کہ قوم پرست چاہتے ہیں۔ تو اس عظیم زبان سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہ سکتا۔

مختلف ثقافتوں، قومیتوں اور جغرافیائی تقسیموں کے باوجود یہی دینی رشتہ ہے جو عجم کو عرب سے باندھے ہوئے ہے۔

وہ عربیت کے اسی لئے قائل ہیں کہ اس سے ان کا دینی اور روحانی رشتہ ہے، یہی جذبہ ہے جس کی وجہ سے وہ عربی کو اپنی مادری زبان پر بھی ترجیح دیتے ہیں اور اسے محنت سے سیکھتے ہیں۔

میں قوم پرستوں سے کہتا ہوں کہ تم تجربہ کر کے دیکھ لو اور عربی کو اس کے دینی مقام سے الگ کر کے دیکھو کہ تم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ اور نفع و نقصان کا تناسب کیا رہا، نتیجہ یہی ہوگا کہ تم دنیا سے کٹ کر رہ جاؤ گے۔ اور یہ عظیم عالم اسلامی جو ہر موقع پر تمہارے موقف کی حمایت کرتا ہے، حتیٰ کہ تمہارے ساتھ مل کر اسرائیل سے ٹکر بھی لینا چاہتا ہے، تم سے قطع تعلق کر لے گا،

آغاز اسلام میں عرب دنیا میں ایک جزیرہ کی حیثیت رکھتا تھا، عربی زبان، عربی نسب، عربی تہذیب کے فضائل و خصائص سب موجود تھے لیکن عرب جہاں تھے وہیں رہے۔ اسلام جب آیا تو اس نے اس کے حدود میں اتنی وسعت پیدا کر دی کہ وہ متمدن دنیا کے مقابلہ پر آ گیا، ہم جب اسلامی روح کو قدامت، رجعیت، اور پسماندگی کہہ کر کچلتے ہیں اور قومیت کا دم بھرتے ہیں تو ہمیں وہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ کیونکہ دنیا ایک تجارتی منڈی ہے، جہاں سیاست و حکومت معاملات و تجارت جنگ و صلح ہر شے کو نفع نقصان کی میزان میں تولا جاتا ہے، اور آمد خرچ کا حساب لگایا جاتا ہے، معمولی تاجر بھی اپنے میزانیہ کا جائزہ لیتا رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو تمدن کی رونق اور اسکی گرم بازاری باقی نہ رہے اس لئے عربوں کو بھی اپنی اس تجارت کا موازنہ کرنا چاہئے کہ قومیت، اشتراکیت اور ترقی پسندی کو لیکر اور اپنی روح و جذبات اور اسلامی رجحانات کو چھوڑ کر ہم نے کیا دیا اور کیا حاصل کیا! ع

بہ بیں کہ از کہ گسستی و با کہ پیوستی؟

ہم جنگ سے قبل یہ بلند بانگ دعوے سن رہے تھے کہ "عظیم عرب انسان جبل قمقم سے نکل کر دنیا کو اپنے حیرت انگیز کارناموں سے مسحور کر دے گا، لیکن ہم نے باوجود تلاش بسیار کے اس عظیم عبقری عرب کو نہیں دیکھا، بلکہ اس کی جگہ یہ البتہ دیکھا کہ ذلیل و خوار، بے حیثیت و بے وطن یہودی جس کو ذلت اور بزدلی کی مثال سمجھا جاتا تھا، اس عظیم عرب پر غالب آیا،

یہ المیہ اسوقت پیش آیا جب عرب دین سے عاری اور معنوی اسلحوں سے خالی ہو گیا تھا لہٰذا وہ سب کچھ ہو کر رہا جس کا خواب میں بھی خیال نہ تھا عربوں اور مسلمانوں کو اس شرمناک شکست و رسوائی کی روسیاہی ملی جسے سات سمندر بھی نہیں دھو سکتے

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم نے اس لادینی قیادت اور اشتراکیت سے کیا فیض پایا؟ زندگی تمامتر تجربات ہی پر قائم ہے، اگر ہم تجربوں سے عبرت نہ حاصل کریں اور اپنی غلطیوں کی تلافی بھی نہ کریں، اور اپنے دعووں اور تخیلات ہی پر جمے رہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ ہم میں زندگی کی صلاحیت نہیں رہ گئی ہے، ہم نہ زندگی سے کچھ حاصل کر سکتے ہیں نہ مستقبل کی کچھ امید ہو سکتی ہے، جب انسان کا اپنے تجربات سے ایمان اٹھ جائے، اور ہمیشہ وہ اوہام و خیالات ہی کی دنیا میں رہنے لگے تو انسانی ترقی کا سارا میدان ہی ویران ہو جائے، جیسا کہ میں نے لکھا تھا کہ علوم ریاضی کی بنیاد بھی تجارت ہی پر ہے زمانۂ جدید کی اکثر ترقیاں استقراء اور تلاش و تجسس ہی کی بدولت ہوئی ہیں اس لئے ایک جائزہ یہ بھی لینا چاہیے کہ اسلام سے بغاوت یا غفلت اختیار کرکے اور اس کی عظمت و صلاحیت کا انکار کرکے ہم نے ان چند سالوں میں کیا پایا ہے؟

خدا کے فضل سے ہمارے محبوب عربی ممالک کے پاس قدرت کے تمام وسائل موجود ہیں، خوش حال زندگی کے جملہ لوازمات انھیں میسر ہیں اس کے ساتھ ہی حرب و دفاع اور نشر و اشاعت کے بہترین ذرائع بھی انہیں حاصل ہیں، اور ان کی اتنی فراوانی ہے جو دوسرے ملکوں میں کم دیکھنے میں آتی ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ فتح و ظفر کے تمام مادی اسباب فراہم تھے، پھر موجودہ صورت حال کس کمی کا نتیجہ کہی جائے اور اس کا بنیادی سبب کسے قرار دیا جائے؟ جواب بہت آسان اور کھلا ہوا ہے، وہ یہی کہ اسلام کے ساتھ اخلاص کا سرمایہ نہ تھا، اس شجاعت و بسالت کی کمی تھی جسے صرف ایمان و عقیدہ ہی بخشتے ہیں، اسی یقین و اعتماد کا فقدان تھا جو صرف خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔

اس معنوی اور روحانی پہلو کے نقص کا تو یہ عالم تھا کہ بہت سے لیڈروں کو اسلام کا نام لیتے شرم آتی تھی، ان پر کلمۂ حق کی گواہی اور اپنی اسلامیت کے اقرار سے بڑھ کر شاید کوئی ناگوار نہیں گذرتی تھی اللہ پر اعتماد اور اسلام پر فخر کا تو تصور بھی نہیں تھا۔ —— ظاہر ہے کہ اس سے برا نتیجہ اور کیا ہوتا پستی کی آخری حد جو ہو سکتی تھی، ذلت کے ساتھ ہمیں وہاں تک آنا پڑا —— ان تمام کھلی ہوئی المیوں کے بعد یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم اسلام کی بنیاد چھوڑ کر اصنام کی خدائی میں پناہ ڈھونڈنے کا تصور کریں، ان بتوں کو تو ہم نے تراشا اور انہیں پوجا بھی مگر نہ یہ سنگدل کچھ کام آئے اور نہ "عرب انسان" کا صنم اکبر ہی کوئی مدد کر سکا۔

میرے دوستو! صحابہ کرام رضؓ بظاہر بہت ضعیف و نحیف تھے، غربت و جہالت کے مارے تھے، متمدن زندگی میں ان کا کوئی مقام نہ تھا نظریں انھیں حقارت سے دیکھتی تھیں، کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے، جوتے پھٹے ہوئے، ڈھالیں زنگ کھائی ہوئی تھیں، لیکن اس کے باوجود حیرت انگیز کارنامے گرد راہ کی طرح ان کی ٹھوکر سے پیدا ہوتے تھے، کل آدھی صدی میں انھوں نے ہم ٹھونٹ میں اسلام کا علم لہرایا، اور آدھی دنیا پر اسلامی حکومت کا سکہ رواں کر دیا۔ دنیا کو ایک نیا طرز حکومت نئی زندگی اور نئی تہذیب دی اور دنیا کو تنگی سے وسعت و آفاقیت اور انسانی مذاہب کی چیرہ دستیوں سے اسلام کے عدل کی طرف اور انسانوں کی غلامی سے نکل کر ایک خدائے ذوالجلال کی بندگی کی جانب رواں کر دیا۔

ہم جب بھی ان حقائق کو جھٹلائیں گے اور تجربات سے چشم پوشی کریں گے تو انسانیت پر ظلم کریں گے اور حیوانوں کے مقام سے بھی کچھ نیچے آرہیں گے، اس لئے کہ حیوان بھی بہرحال تجربات سے فائدہ اٹھاتے اور خطرات سے بچتے ہیں، پھر آخر ہم کیوں ناکردنی کو بار بار کئے جا رہے ہیں، حیوان کبھی اپنے دشمن کو نہیں بھولتا لیکن ہم ہیں کہ دھوکہ کھانے کے لئے بڑھے جا رہے ہیں اور تباہی کو منت و اصرار کے ساتھ دعوت دینے پر تلے ہوئے ہیں ہماری بدنصیبی ہے کہ جو لوگ اس شکست کے ذمہ دار ہیں وہ آج بھی ہماری عقلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور ہمارے دل میں اب بھی ان کی پہلی سی عزت قائم ہے —— اگر ہم میں ذرا بھی غیرت، حیا اور انسانیت ہوتی تو ہم ان سے ان مجرموں کا سا معاملہ کرتے جو قوموں کے قاتل ہوتے ہیں اور ملکوں سے بے وفائی کرتے ہیں، ان حالیہ مجرموں نے ہماری شخصیت، ہمارے شرف ہماری تاریخ پر پانی پھیرا ہے —— ان کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ انھوں نے ہماری تاریخ پر دھبہ لگایا ہے، ایسی تاریخ پر، جس پر ہماری عظمت رفتہ کا مدار تھا، جس سے ہم ہر موقع پر مدد لیتے تھے، اسلامی شعور کی بیداری، شعلۂ ایمان کی تابکاری اور جرأت و عزیمت کے وفور میں اس کا بڑا حصہ ہوتا تھا، یہی اسلامی عربی تاریخ تھی جس کا اہل علم فخریہ حوالہ علم و فن کی ہر مجلس میں دیتے رہتے تھے، یہ وہ عصائے موسیٰ تھا جو ہر جگہ ہمارے کام آتا تھا، ہم اپنے عجمی ماحول میں عباقرۂ اسلام، اور نوابغ ایمان کی مثالیں دیتے تھے اور فخریہ کہتے تھے کہ ہمارے خالد رضؓ ہیں، اور یہ فاتح عجم سعد بن وقاص رضؓ ہیں اور یہ عقبہ بن نافع رضؓ ہیں، یہ فاتح اندلس طارق بن زیاد رحؒ اور یہ فاتح ہندوستان — محمد بن قاسم ہیں۔

اولٰئك اٰبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جرير المجامع

یہ وہ عظیم ہیرو ہیں جو مٹھی بھر نہتے اور افلاس زدہ لوگوں کو لے کر نکلے اور ایک دنیا فتح کر ڈالی، لیکن موجودہ پسپائی نے اسلامی تاریخ کی عظمت و جلال میں بہت سے رخنے ڈال دیئے۔ لوگ اب اسے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہماری ہمنوائی میں انھیں جھجک محسوس ہوتی ہے اب وہ ہماری زندہ و تابندہ تاریخ کو داستان پارستان اور قصۂ ماضی سمجھتے ہیں۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اقلیت بھی اکثریت پر غالب آسکتی ہے۔ جبکہ پورا عالم عرب اسرائیل کے مقابلہ پر آگیا تھا اور اسے کچل ڈالنے پر آمادہ تھا۔ اس کی ہیبتناک چیلنج سے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ لیکن خلاف توقع ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ ذلیل و خوار یہودیوں کی جماعت ان تمام حکومتوں پر غالب آئی، یہ ایسا حادثہ اور المیہ تھا جس نے ناطقہ سے قوت گویائی چھین لی، گردنیں شرم سے جھک گئیں اور کوئی تاویل ممکن نہیں رہی، عالم اسلام کا یہ ایسا خسارہ تھا جس کی تلافی شاید کبھی نہ ہو، یہ ایسے عواقب چھوڑ گیا جو شاید کبھی نہ حل ہو سکیں۔

خیر جو ہوا سو ہوا، اب سوچنا یہ ہے کہ اب کیا کرنا ہے، کیا اب بھی ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کرنے کا وقت نہیں آیا کہ جن لیڈروں نے ہمیں یہ دن دکھائے ہیں، انھیں ہم نااہل قرار دے کر قیادت سے ہٹا دیں اور صاف صاف کہدیں کہ وہی شکست کا سبب ہیں اور یہ سب ان کی غلط کار سیاست و پالیسی کا نتیجہ ہے، ہمارا پہلا فرض ہے کہ ہم ان سے بیزاری اور برأت کا اظہار کریں اور اس عظیم خسارہ

"باقی ص۱۲ پر"

تاریخ کے دریچے سے

حضرت ابوایوب خالد انصاری

(ایک انجان محافظ رسول)

(ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے، پی ایچ ڈی ریڈر شعبۂ عربی وکٹیشورا یونیورسٹی آندھرا)

جنگ خیبر میں سب سے مضبوط و سنگین قلعہ "قموص" کا تھا جب سخت و طویل جنگ کے بعد مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو کنانہ امیر قلعہ قموص آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس کے پاس بنی نضیر کا خزانہ تھا — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے؟ اس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ مجھے کچھ علم نہیں ہے۔ آنحضرت نے فرمایا:

ارأیت ان وجدناه عندك اقتلك

کیا خیال ہے تمہارا کہ اگر ہم نے خزانہ کو دریافت کر لیا تو تم کو قتل کر دینگے؟ کنانہ نے جواب دیا کہ ہاں مجھے منظور ہے۔

جب مسلمانوں نے خزانہ کا انکشاف کیا تو آنحضرت نے کنانہ کو محمود بن سلیمہ کے حوالہ کیا اس لئے کہ ان کے بھائی محمود بن سلمہ کو یہودیوں نے اسی جنگ خیبر میں قتل کیا تھا، انھوں نے اپنے بھائی کے قصاص میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا[1]

قلعہ قموص کی عورتوں کو قیدی بنایا گیا، اس گروہ کے آگے آگے خود کنانہ کی بیوی صفیہ اور اس کی چچا زاد بہن تھی، حضرت بلال رضؓ ان کو لے جا رہے تھے جب یہ اس میدان میں پہونچیں جہاں یہودیوں کی لاشیں پڑی تھیں تو صفیہ نے صبر سے کام لیا مگر ان کی چچا زاد بہن نے چیخ پکار مچائی، دونوں آنحضرت کے پاس لائی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ اس شیطان کو یہاں سے لے جاؤ یعنی صفیہ کی بہن جو چیخ پکار مچا رہی تھی پھر آپ نے صفیہ پر ایک چادر ڈال دی جس کا مطلب یہ تھا کہ آنحضرت کی ملک ہو گئی ہے[2]

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۹۵

[2] السیرۃ از ابن ہشام ج ۳ ص ۳۵۰

بعد میں آنحضرت نے صفیہ سے شادی کے بارے میں رائے دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ میری یہ خواہش زمانۂ شرک میں تھی اب اسلام کے بعد تو پوچھنے کا کیا، آنحضرت نے ان کو آزاد کر دیا اور پھر شادی کر لی[1]

فاتح مسلمان خیبر سے چلے ۶ میل پر قافلہ ٹھہرا، آنحضرتؐ نے صفیہ رضؓ سے ملنا چاہا مگر انہوں نے انکار کیا، آنحضرت کو یہ بات کچھ گراں گذری کارواں آگے بڑھتا رہا جب ایک مقام "صہبا" میں آرام کیلئے اس نے منزل کیا تو حضرت صفیہ رضؓ نے ملنے کی آمادگی ظاہر کی۔ حضرت انس بن مالک رضؓ کی والدہ نے حضرت صفیہ رضؓ کی آرائش کی[2] کنگھی وغیرہ کی پھر فرمایا کہ میں نے اتنی روشن و تابناک عورت نہیں دیکھی۔

آنحضرت سے ملنے پر انہوں نے ایک خواب بیان کیا، حضرت صفیہ رضؓ نے کہا کہ جب میری پہلی ملاقات کنانہ بن ربیع سے ہوئی تو رات کو میں نے یہ خواب دیکھا کہ میری گود میں ایک چاند آکر گر پڑا، جب آنکھ کھلی تو میں نے کنانہ سے یہ خواب بتایا اس نے غصہ ہو کر کہا کہ:

ماھذا الا انك تمنين ملك الحجاز محمدًا

یہ نہیں ہے مگر تو تمنا کرتی ہے حجاز کے بادشاہ محمد کی پھر اس نے ایک ایسا چانٹا مارا جس کا اثر اب تک باقی ہے[3]

آنحضرتؐ کو یہ خواب سن کر خوشی ہوئی مگر آپؐ کے دل میں ابتداء میں ملاقات سے انکار کا خیال تھا، چنانچہ آپ نے وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت صفیہ رضؓ نے فرمایا کہ:

"خشیت علیك قرب الیهود"

(یہودیوں کی قربت سے آپ پر مجھے ڈر محسوس ہوا)

وہ قبا جہاں آنحضرتؐ اور صفیہ رضؓ یہ سب باتیں کر رہے تھے اس سے ذرا دور پر ایک انصاری رات بھر جاگتے رہے اور آنحضرت کے علم کے بغیر قبہ کا طواف کرتے اور گھومتے رہے، ان کے ہاتھ میں تلوار تھی، جب صبح ہوئی تو آنحضرتؐ نے ان کو دیکھا اور دریافت فرمایا کہ،

"مالك یا ابا ایوب"

"کیا بات ہے اے ابوایوبؓ"

انھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! اس عورت کے گھر والے اور شوہر وغیرہ قتل کئے گئے ہیں، ابھی اس کا زمانۂ کفر ختم ہوا ہے، مجھے بڑا ڈر لگا آپ پر اس لئے میں رات بھر حفاظت کے خیال سے آپ کے آس پاس رہا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

اللهم احفظ ابا ایوب كما بات یحفظنی۔ (اے اللہ ابوایوب خالد بن زید کی حفاظت فرما جس طرح انھوں نے رات بھر جاگ کر میری حفاظت کی ہے[2]

چونکہ اس سے قبل ایک یہودی عورت نے آنحضرتؐ کو زہر دیا تھا اور یہ واقعہ تازہ تھا اس لئے حضرت ابوایوب کو خدشہ ہوا، انھوں نے سفر کی پوری رات جاگ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔

اس انجان محافظ کے خلوص کی قدر کرنا اور اس کی قیمت کا اندازہ لگانا ہم لوگوں کی طاقت سے باہر ہے۔ انصاری آنحضرتؐ سے محبت و خلوص بے پایاں کی مثال سے تاریخ کے اوراق کے پُر ہے۔ یہ وہی انصار ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر آنحضرت سے کہا تھا کہ آپ فرماتے تو ہم لوگ آگ میں کودنے کو تیار ہیں، جنگ خیبر میں مہاجرین بھی تھے مگر یہ خیال کسی کے دل میں

(بقیہ ص۹ پر)

[1] السمط الثمین از محب طبری ص ۱۲۰

[2] السیرۃ از ابن ہشام ج ۳ ص ۳۴۵

[3] تاریخ طبری ج ۲ ص ۹۴

[1] السیرۃ از ابن ہشام ج ۳ ص ۳۵۴

[2] ایضاً ج ۲ ص ۲۵۵ (ماخوذ از نساء النبی مؤلفہ بنت الشاطی۔

حالات نازک اور سخت ہیں

مگر بدلے جا سکتے ہیں!

از قاضی محمد عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ جنرل سکریٹری کونسل

انگریز کی حکومت نے تعلیم کو عام کرنے کا کبھی کوئی عملی پروگرام نہیں بنایا، اگرچہ کاغذ پر بعض اسکیمیں آئیں اور کچھ قوانین بھی مرتب کئے گئے، مگر یہ سب باتیں نمائشی تھیں صرف چند فیصدی کو تعلیم دی جاتی تھی، بقیہ لوگ خواندگی سے بھی محروم تھے، اس کے علاوہ عرصہ تک صوبوں کے اندر کچہری اور سرکاری دفاتر کی زبان اردو رہی اور جب کو میکڈانلڈ نے جو ترمیم بھی کی وہ یہ کہ اردو اور ہندی کو برابر کا درجہ دیا، اردو اور فارسی زبانوں کو تعلیم برابر اسکولوں اور کالجوں میں دی جاتی تھی اور چونکہ ان زبانوں کی روزمرہ زندگی میں ضرورت تھی اس لئے ہر مذہب کے لوگ انہیں حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے، علمائے حق نے جابجا عربی مدارس کھول دیئے تھے، جہاں بذریعہ زبان عربی علم دین یعنی قرآن، حدیث، فقہ اور متعلقہ علوم کی تکمیل کی جاتی تھی، اس طرح اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں کا رابطہ ان عربی مدارس کے فضلاء سے قائم رہتا تھا اور چونکہ آہستہ آہستہ تمام کتابیں عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہو رہی تھیں، کوئی تعلیم یافتہ شخص اگر مذہب سیکھنا چاہے تو وہ اردو کتابوں کے مطالعے ہی سے یہ فرض انجام دے سکتا تھا، رہنمایان قوم اور بچوں کے والدین کو کسی قسم کا اضطراب نہ تھا۔

تقسیم ہند کے بعد عوامی جمہوریت کے قیام اور پاکستان کے ردعمل نے ایک نئی صورتحال پیدا کی ہے، اب ایک عوامی حکومت اپنے فرض کے طور پر ہر بچے اور بچی کو تعلیم دے گی اور اب صرف جابجا عربی مدارس کھول دینے اور مساجد اور عیدگاہیں تعمیر کرنے کے بجائے کچھ اور کرنا ہوگا۔

حالات حاضرہ!

آج حالات نے پھر پلٹا کھایا ہے اور ہم ایک نئے خطرے سے دوچار ہیں ایسا نظر آتا ہے، کہ گزشتہ صدی کے اندر ہمارے مفکرین نے دین کا جو سرمایہ اکٹھا کیا ہے وہ ہیزم سوختنی کے سوا اور کسی کام کا نہیں رہ جائے گا۔ آج تک جو کچھ ہوا وہ سب مٹ جائے گا اور مورخ کے لئے صرف یہ کہنے کو رہ جائے گا کہ کبھی ایسا تھا! کیا ایسا ہوگا، کیا ہم اسے ہو جانے دیں گے؟ ہرگز نہیں، لیکن اس کے لئے ہم کو اس سے بڑی جد و جہد کرنی پڑے گی جو ہمارے بزرگوں نے سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی سامراج کے عروج کے وقت کی تھی، اب تعلیم عام ہوگئی اور ہمیں بھی اسی حساب سے ہر بچے اور ہر بچی کی فکر کرنی پڑے گی۔

موجودہ حالات یہ ہیں کہ دستور ہند نے مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور لسانی حقوق عطا کئے ہیں مگر جو دستور یا قانون کسی کو کوئی حق عطا کرے، اس کے عملی حصول کے لئے دو بڑی شرطیں ہیں۔ (۱) یہ کہ جن کے مقابلہ میں یا جن کے معاہدے کے طور پر وہ حقوق عطا کئے گئے ہوں، وہ اسے حاصل کرنے برتنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہوں، ہندوستان میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں، آج تیرہ سال کی آزادی کے بعد حالت ہے وہ بار بار بیان ہو چکی ہے۔

جو اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کا انجام دو ایک پشتوں کے بعد کیا ہوگا اور اس لئے ہر محب اسلام بے چین ہے کہ کس طرح اپنی آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

ہر طبقۂ خیال کے علماء و مفکرین اس پر متفق ہیں کہ اگر ہم اپنی پوری جد و جہد کریں تو حالات بدلے جا سکتے ہیں۔ اگر لارڈ میکالے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا جب کہ ہمارے بزرگوں کے راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں تھیں تو آج جمہوریت اور حق شناسی کے اس دور میں تو معاملہ اور بھی آسان ہے، ہر طبقۂ خیال کے علماء و مفکرین اس پر بھی متفق ہیں کہ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ہم اس بات کا عزم کریں کہ پورے صوبے میں ایک مسلمان بچی یا ایک بچہ بھی باقی نہ رہے جسے ہم بذریعہ اردو دین کی تعلیم نہ دیں، اس لئے پورے دن کے مکاتب اور صباحی اور شبینہ مکاتب بھی کھولیں اور ایک عوامی تحریک جاری کریں۔

بزرگو اور دوستو! کام مشکل بھی ہے اور آسان بھی، لگن کی ضرورت ہے، ہر کام وہ عشق چاہتا ہے جسے خون جگر کہتے ہیں، مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کام کے لئے اولین شرط خود اعتمادی و خود اعتمادی ہے، صدیوں سے جو عادت ہم نے دوسروں کے سہارے چلنے کے لئے ڈال لی تھی اسے قطعی طور پر ترک کرنا ہوگا۔ آئیے محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں مکاتب قائم کر دیجئے اور وقت کی کلائی کو موڑ دیجئے، آخر میں لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے ان بچوں کو بھی نہ بھولئے گا جو سرکاری اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں، ان کے صباحی اور شبینہ مدارس کا اجراء انتہائی ضروری ہے کوئی مکتب اس وقت تک اپنا فرض ادا نہیں کرتا جب تک کہ وہ قریب کے سرکاری اسکولوں کے مسلمان بچوں اور بچیوں کو صبح اور شام دینی تعلیم بذریعہ اردو نہ دے اسی طرح بچیوں کے لئے الگ درس گاہیں کھولنا بھی ضروری ہیں۔

(ماخوذ خطبۂ افتتاحیہ ضلع دینی تعلیمی کانفرنس بنارس)

بقیہ:- حضرت ابو ایوب خالد انصاریؓ

نہ گذرا، اور ایک انصاری نے خلوص و محبت کی شمع دل میں روشن کئے ساری رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں آنکھوں ہی آنکھوں میں بتا دی۔

یہ ہے اسلام اور آنحضرت کی ذات سے خلوص و تعلق کا عملی نمونہ جس سے انصاری کی تاریخ روشن ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

خط و کتابت کرتے وقت
حوالہ نمبر خریداری دینا ضروری ہے
"منیجر"

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کا

دینی تعلیمی ہفتہ

از ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء (جمعہ) تا ۱۷ مئی ۱۹۶۸ء (جمعہ)

ملک کی آزادی کے بعد حکومت کی تعلیمی پالیسیوں، سرکاری اسکولوں کی درسی کتابوں کے خلاف اسلام اسباق و مضامین اور اسلامی مدارس و مکاتب کے ساتھ حکمۂ تعلیم کے معاندانہ رویے کے خطرات کو محسوس کرکے اور ان تمام حالات اور ماحول کا اندازہ کرکے جو آئندہ مسلمان نسلوں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر بے دین بنانے اور اسلام سے محروم کرنے کیلئے اختیار کئے گئے، مسلمانوں کے ہر طبقے ہر جماعت اور ہر مسلک خیال کے اصحاب فکر نے متحد و مجتمع ہو کر ۵۹ء کی آخری تاریخوں میں دینی تعلیمی کونسل قائم کی اور اس کے ماتحت پوری ریاست میں دینی تعلیمی تحریک چلائی جس کے نتیجے میں بحمد اللہ کافی حد تک آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت ممکن ہو سکی۔

مگر وہ حالات جو قیام کونسل کے وقت تھے وہ نہ صرف بدستور موجود ہیں بلکہ حکومت یو، پی کی مختلف تعلیمی پالیسیوں اور مرکزی حکومت کے تعلیمی کمیشن (کوٹھاری کمیشن) کی تعلیمی سفارشات کے منظور ہو جانے پر ان میں مزید سنگینی اور خطرناکی پیدا ہو کے آثار ہیں

وقت کا اہم تقاضا اور ضرورت ہے

کہ دینی تعلیمی تحریک مزید سرگرمی سے چلائی جائے اور فرزندان اسلام ذرا اور بلند، اپنے ایمانی عزم و حوصلے کو ذرا اور مستحکم اور قدم کچھ اور تیز کریں اور ثابت کر دیں کہ حالات کی ناسازگاری اور مشکلات کی سنگینی کے سامنے مسلمان کا ایمان و یقین اور جوش عمل بڑھ جاتا ہے۔

اسی لئے دینی تعلیمی کونسل نے پوری ریاست میں دینی تعلیمی ہفتہ منانا طے کیا ہے، اس ہفتے میں تمام مسلمان اپنی دینی تعلیمی تحریک کو وسیع تر اور مستحکم تر کرنے کے لئے اپنے اس عزم و ارادے کو دہرائیں گے کہ:

- ہم اپنی آئندہ نسلوں کو مسلمان باقی رکھیں گے
- ہم اپنے بچوں کو خدا فراموشی، بے دینی اور غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھیں گے۔
- ہم اور ہماری آئندہ نسلیں اس ملک میں باعزت شہری اور صاحب ایمان ملت کی حیثیت سے زندہ رہیں گی۔
- ہم اپنے مکاتب و مدارس کو دینی تعلیمی کونسل کی ہدایت و تجویز کے مطابق آزاد رکھ چلائیں گے
- ہم سرکاری نصاب تعلیم کی اصلاح کے لئے آخری حد تک جد و جہد کریں گے۔
- ہم کسی ایسی تعلیمی پالیسی اور تجویز کو منظور نہیں کریں گے جو ہمارے مدارس و مکاتب کی آزادی اور زندگی کے لئے مضر ہو گی۔
- اس راہ میں جو مشکلات آئیں گے، ہم انہیں برداشت کریں گے۔

تمام مسلمانان یو، پی سے اپیل و امید ہے کہ وہ اس ہفتہ کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے تمام فکری جسمانی، اور مالی وسائل لگا دیں، ہفتے کے پروگراموں میں شرکت کریں اور آخری جلسۂ عام میں شریک ہو کر دینی تعلیمی تحریک کے رہنماؤں کی تقریریں سنیں، ان حالات میں اپنے فرائض معلوم کریں اور

پروگرام دینی تعلیمی ہفتہ

۱۰ مئی ۶۸ء، ۷ بجے صبح، ہر مکتب میں اجتماعی دعا بعد ازاں موضع یا محلے میں طلبا کا گشت نظم اور ترانے پڑھتے ہوئے

۱۰ مئی بر نماز جمعہ، ہر مسجد میں جمعہ سے پہلے پمفلٹ دینی دینی تعلیمی تحریک پڑھ کر سنایا جائے، جو کونسل نے تیار کیا ہے،

۱۰ مئی، ۷½ بجے شام (بعد مغرب) موضع یا محلے کے مسلمانوں کا جلسہ جس میں دیگر قریبی مقامات کے بھی ممتاز حضرات مدعو کئے جائیں

۱۱ مئی ۶۸ء تا ۱۶ مئی ۶۸ء روزانہ

۱۱ مئی صبح ۷ بجے سے ۱۲ بجے تک: مکتب میں دعا، بعد ازاں طلباء کی جماعتوں کا گشت اور تعلیمی بیج کی فروخت، ذمہ داران مکتب کے گشت اور خصوصی تعلیمی بیج کی فروخت،

۱۶ مئی ۲ بجے دن سے ۵ بجے تک

مکتب میں طلبہ کے تعلیمی مظاہرے (قرأت کلام پاک، نظم خوانی، تقریر اور مکالمے کے مقابلے۔ کھیل کود اور طلباء کے کام کی نمائش۔

۱۶ مئی ۷½ بجے شام (بعد مغرب)

موضع یا محلے کے مسلمانوں اور ذمے داران، و مدرسین مکتب کا جلسہ۔ دن بھر کے کام کا جائزہ لینے اور دوسرے دن کے کام کا نقشہ مرتب کرنے اور آدمی نامزد کرنے کے لئے۔

۱۷ مئی ۷ بجے صبح سے ۱۲ بجے تک

تمام مکاتب حلقہ کے طلبہ کا تعلیمی مظاہرہ و مقابلہ۔

۱۷ مئی ۴ بجے دن سے ۵ بجے تک

حلقے کے تمام مواضعات یا محلوں کے مسلمانوں کا عام جلسہ۔

۱۷ مئی ساڑھے ۵ بجے - نماز عصر-
۱۷ مئی ساڑھے ۵ بجے شام - عام جلسہ (جو نماز عصر کے لئے ملتوی ہوا تھا-)
ضلع انجمن یا دینی تعلیمی کونسل کے کسی ذمے داران کی تقریریں اور تجویزیں۔
انعامات کی تقسیم اور دعا بر اختتام ہفتہ

ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی
رکن مجلس عاملہ دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ
کنوینر دینی تعلیمی ہفتہ

"تعمیر حیات"
میں
اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

علامہ شبلی نعمانیؒ

صریرِ خامۂ شبلیؒ تھا یا الہام ربانی — سوادِ خط یہ جسکے رشک فرما خامۂ مانی
وہ شبلی کی نگاہِ دوربیں کا فیض تھا گویا — مسلمانوں نے پھر اسلام کی تصویر پہچانی
وہ شبلی کے تخیل ہی کا اک ادنیٰ کرشمہ تھا — ہویدا ہوگئی اسلام کی تصویر پنہانی
وہ تصویر حسیں گردِ تعصب جسپہ چھایا تھا — نکھر کر سامنے آئی تو سب نے قدر پہچانی
وہ شبلی رہن تھا جس کا سراپا عشقِ ملت میں — خود اس کے عشق پر شاہد تھی اسکی چاک دامانی
وہ شبلی ذات جسکی مہر و اُلفت کا حسیں پیکر — سوادِ مصر روم و شام میں اس کی حدی خوانی
وہ جس کے دم سے قائم تھا بھرم عشق و محبت کا — وہ جسکی ذات سے تازہ جنوں کی فتنہ سامانی
روایاتِ کہن میں رُوح تازہ پھونکدی جس نے — صریرِ خامہ تھا جس کا نقیبِ حشر سامانی
وہ پُتلا علم کا ہر حرف جس کا دفترِ معنی — مسلّم اہلِ یورپ میں بھی تھی جسکی ہمہ دانی
وہ شبلی وہ علمبردارِ فکر و وحدتِ ملت — نظیرِ شیخ عبدہٗ یا مثالِ شیخ افغانیؒ
وہ شبلی جس نے ڈھائی تھی اساسِ فکرِ یونانی — وہ جس نے فاش آخر کردیئے اسرارِ قرآنی
وہ شبلی جس نے لکھی سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ — نظر آتا نہیں اُس عہد میں جس کا کوئی ثانی
سجائی بزمِ مامونی، دکھائی شانِ فاروقی — جبینِ دہر پر ہر نقش اس کا نقشِ لافانی
قلم کے زور سے دنیائے فن پر حکمرانی کی — نہ چھوڑا علم کا گوشہ کوئی تا حدِّ امکانی
سراپا علم و دانش بھی شہیدِ علم و دانش بھی — جہانِ علم کی تا عمر کی اسنے جہانبانی
سلیمانؒ جوہرؒ و آزادؒ و اقبالؒ اور نعمانیؒ — یہی تارے ہیں جن سے مطلعِ مشرق ہے نورانی
تو اپنے سوز و سازِ عشق سے جاوید ہے گویا — ترا پیغام زندہ ہے تمہارا کام لافانی
تمہارے خامۂ عنبر شمامہ کی قلمرو میں — رہا ممنونِ احساں مسلمِ ہندی و ایرانی
عرب کے ریگزاروں سے عجم کے لالہ زاروں تک — درخشانی ترے افکار کی دانش کی تابانی
ترے ہر حرف سے اک انقلابِ نو ہویدا ہے — نشاطِ نو کی ہر تحریک کا تو ہو گیا بانی

ترے نوکِ قلم میں بجلیاں کروٹ بدلتی ہیں
قلم کو کر دکھایا تو نے ہی شمشیر کا ثانی

(از شمسؔ تبریز خان)

عرب زنغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است!

از ــــــــــ حفیظ حبیب الحق صاحب ندوی

وحدتِ محمدیؐ نہیں وحدتِ ناصری!

جنوری ۱۹۶۳ء سے رسالتِ ناصری اور رسالت محمدیؐ میں موازنہ کی فضاء تیار کی جاتی رہی ، جون ۱۹۶۳ء (محرم الحرام ۱۳۸۳ھ) کے مجلۃ الازہر کے اسی اداریہ میں جس میں عجمیوں پہ حملات کئے گئے اور تین سنہرے ادوار کا ذکر ہوا، حسن زیارت نے یہ اعلان بھی کردیا کہ رسالتِ ناصری اور وحدۃ ناصری محمدؐ کی لائی ہوئی وحدت سے زیادہ پائیدار ہے ، اور غیر تغیر پذیر بھی (ملاحظہ ہوں صفحات ۱- تا ۴) حسن زیات رقمطراز ہیں :

"محمدؐ کی لائی ہوئی "دعوت وحدت" من حیث مجموعی زیادہ عام تھی ، کیونکہ اس کا انحصار نظریات (جدید عرب عقائد کا ترجمہ نظریات کرتا ہے) پر تھا ، اور نظریات خواہ کسی قدر طویل مدت یا زمانہ تک زندہ رہیں بالاخر کمزور و ضعیف ہو جاتے ہیں ، ان میں تبدیلی آتی ہے اور تغیر بھی صلاح الدین ایوبی کی دعوت وحدت بھی جزوی تھی ، اس لئے کہ اس کا مدار سلطانیت پر تھا ، اور سلطانیت میں بھی ضعف لازمی ہے اس کا انجام بھی زوال ہے ، اس کے برخلاف ناصر کی لائی ہوئی دعوت وحدت ابدی ہے (عربی لفظ "باقی" خدا کی صفات میں سے ایک ہیں جن کے معنی ازلی ابدی اور سرمدی ہیں ، جسے زوال نہیں) اور نامیاتی بھی ، کیونکہ دعوت ناصری کے تین اہم بنیادی عناصر ہیں

(۱) معاشی دائرہ میں سوشلزم کا نفاذ -
(۲) عوام زندگی میں آزادی رائے کی کثرت -
(۳) سیاسی دائرہ میں جمہوری طرز حکومت کا قیام -

یہی تین ستون پائیدار ہیں اور وحدت کی ضمانت کیلئے کافی بھی ، ہاں اگر انہیں سلب کرلیا جائے تو تخصالی عناصر کا ظہور لازمی ہے ، انھیں دبانا فساد کا موجب ہے ، امن ہانی کا لازمی نتیجہ جور و ستم اور جبرہ دستی ہے خود غرضی ، مفاد پرستی ، لالچ ، ہوس ، حسد و رقابت جور و ستم ، یہ سب امتوں کی ہلاکت و بربادی اور زمانہ کے ادبار کا اصلی سبب ہیں" (ص ۴)

یہ اعلان نامہ درحقیقت اربابِ اقتدار کے استانہ پر شعوری زندگی کی بے بسی کا لازمی نتیجہ تھا ، مصری عوام کا "حساس و غیر حساس" طبقہ اربابِ فکر و نظر کے ساتھ اپنے حواس بھی کھو چکا تھا ، اس کے تاثرات اور ردِ عمل سے یہاں بحث نہیں ، البتہ اس طبقہ کے ردِ عمل کی طرف اشارہ ضروری ہے جس میں ہنوز اس اعلان نامے کو چیلنج کرنے کی صلاحیت تھی اور جرات بھی ۔ اس اعلان کے بعد مصر کے دینی حلقوں میں احتجاج شروع ہوا ملک کے اندر اور ملک کے باہر لوگوں نے احتجاجات شروع کئے ، عوامی نفسیات کو بھونچال سے بچانے کیلئے مجلۃ الازہر کے آئندہ شمارہ میں اعجاز بیان سے ابہام کی تفسیر کرنی پڑی۔

جولائی ۱۹۶۳ء (صفر ۱۳۸۳) کے اداریہ میں "وحدۃ لا وحدۃ ثمان" کے زیرِ عنوان حسن زیارت نے جون کے اعلان نامے کی تفسیر بیان کی ، نہایت طنز آمیز لہجہ میں موصوف نے لکھا کہ بعض مومن قلوب اور ارواح پر جون کا اعلان نامہ گراں گذرا ہے ۔

خالج بعض النفوس المومنۃ شی من قولی فی العدد الماضی من ھذہ المجلۃ ..... توضیح کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں ۔ اعجاز بیان اور اعجاز تحریر کی وجہ سے لوگ اصل عبارت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہے (ملاحظہ ہوں صفحات ۱۲۹ تا ۱۳۰)

لعل الایجاز الذی ادیت بہ ھذہ الجملۃ اعتماداً علی ما کتبت من قبل فی ھذہ المجلۃ سبباً فی ھذہ الابہام فانا اوضحہ فی ھذہ الکلمۃ (ص ۱۳۰)

ایجاز عبارت کی تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں کہ تحریر کا مقصود درحقیقت محض یہ لکھنا تھا کہ دعوت ناصری دعوت محمدی کی تجدید ہے

ممکن ہے عجمی کے لئے یہ ایجاز موجب ابہام ہو کیونکہ عربی اس کی مادری زبان نہیں ، لیکن ایک عرب حسن زیات کا ہم وطن ـــــــــ المسلمون کا مدیر سعید رمضان ـــــ کیلئے اس عبارت میں ایجاز و ابہام کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی ، جو نہ صرف عربی گرامر سے واقف ہے بلکہ اسکے محاورات و اسالیب بیان سے بھی نامانوس نہیں ، دسمبر ۱۹۶۳ء (ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ) کے المسلمون (جو جنیوا سے شائع ہوتا تھا) میں سعید رمضان نے اداریہ "واعجباً ! ھذا ضلال تنشرہ مجلۃ الازھر ؟" (ہائے حسرت ! مجلہ ازہر میں ان ضلالتوں کی اشاعت) کے زیر عنوان ان صدمات کا اظہار کیا جو اس اعلان نامے کے بعد مسلم کو پہونچا ہے ، محض اشارہ کے طور پر بعض اقتباسات ہدیۂ ناظرین ہیں ، تفصیل کیلئے مجلہ مذکورہ کے صفحات ۱۲۹ تا ۱۳۲ ملاحظہ ہوں۔

سعید رمضان رقمطراز ہیں کہ مجلہ ازہر کی نظر میں کیا اب نبوت محمدی اور اسلام کا یہی مرتبہ رہ گیا ہے ؟ یا پردہ زنگار ین کے پیچھے ایک ضعیف العمر کی "قلم فروشی" کا فتنہ ہے ، یا یہ سب کچھ اس طویل نخوت کا نتیجہ ہے جسے علم کو فن دین کو رسم اور شریف کو نفتیہ زانے قرار دیا جا رہا ہے جس سے غفلت شعار اور کم ہمت بے حس ہیں ، آخر مجلہ ازہر کی مراد اس سے کیا ہے کہ وحدت محمدی مجموعی حیثیت سے اس لئے عام تھی کہ اس کا مدار نظریات پر تھا ، کیا اس کی یہ مجموعی صفت محض ایک نظری ڈھانچہ کی ہے یا اس کی گرفت انسانی ارواح و قلوب بلکہ نظام حیات کی سوتوں تک محیط ہیں ، کیا مقام حسرت ہے کہ شارعِ اسلام کے بجائے وحدت ناصری کو ـــــ

وحدت محمدیؐ سے زیادہ پائیدار ثابت کرکے دکھا دیا!۔ اصل عربی متن جن کا مفہوم مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہدیۂ قارئین ہے:

افھذا مبلغ مجلۃ الازھر من احلال النبوۃ و من العلم بالاسلام، ام ھی فتنۃ القلم المتاجر فی ارذل العمر، ام ھو حماد التیہ الطویل منذ امسی العلم فنا والدین مراسم والشریعۃ تراتیل تحذ بھا الاعزاز والمستقعون (صفحہ ۱۳۰) ثم ماذا تقنی مجلۃ الازھر بقولھا "ان الوحدۃ المحمدیۃ کانت کلیلۃ عامۃ لانھا قامت علی العقیدۃ؟ ھل ینصرف ھذا الوصف الکلی العام الی مجرد الاطار النظری الذی یستوعب کافۃ المنتسبین الی الاسلام، ام انہ یمتد الی اوامرھذہ الوحدۃ فی النفوس والرؤوس ومناھج الحیاۃ؟ (صفحہ ۱۳۰) بل این ھی "الوحدۃ الناصریۃ" التی جعلھا البقی وامضی من "الوحدۃ المحمدیۃ" یا مجلۃ مشایخ الاسلام؟ (۱۳۳)

غرض اس طرح وادی نیل کی سرزمین پر نئے باغبان اور اہالیان چمن عقائد کی نئی کیاریاں بناتے رہے، اچانک آندھی اٹھی (اسرائیلی آندھی) اور خون کی بارش شروع ہوگئی، کیاریوں کے سارے خطوط اسرائیلی ٹینک سے مٹ گئے، اور خون سے دھل گئے، جون ۱۹۶۷ء سے کوئی سال بھر قبل کی بات ہے کہ راقم الحروف ایک اعلیٰ ممتاز اور پایہ کے نامی گرامی مصری ادیب سے گفتگو کر رہا تھا، جمال ناصر پر گفتگو کا سلسلہ جب شروع ہوا تو فاضل مصری نے بشاشت و شادابیت سے بھرپور الفاظ میں کہا....... ناصر "سرور عرب" ہے اس کا ذکر ہی کیا! عوامی اجتماعات (پبلک میٹنگ) میں جو اجتماع ہوتا ہے اور جتنے لوگ جمال ناصر کو سننے آتے ہیں، شاید پیغمبر اسلام کو سننے بھی کبھی نہ آئے ہوں، حجۃ الوداع کا اجتماع سب سے بڑا اجتماع کہا جاتا ہے لیکن ناصر کے اجتماعات کے سامنے وہ ہیچ تھا...... !

الزیات اور جماعت اخوان المسلمین؟

۱۹۵۲ء میں اخوان المسلمین احمد حسن الزیات کی نظر میں خدا ترس جماعت تھی، حزب اللہ تھی، اس کا نظام اصل اسلامی نظام تھا، مصر کی اساسی تنظیم کی متقاضی تھی، وقت آگے بڑھتا رہا، اقتدار کے ناز و انداز بدلتے رہے، ارباب فکر و نظر کی نگاہیں بھی بدلتی رہیں۔ ۱۹۶۳ء میں صدر ناصر سرور عرب اصحاب رسالت کی صف میں کھڑے ہو گئے، یہ مہدی منتظر اور مسیح موعود قرار دیدیئے گئے، اور بالآخر ناصری دعوت وحدت پیغمبر اسلام کی دعوت وحدت سے زیادہ پائیدار قرار دے دی گئی وقت جوں جوں آگے بڑھتا رہا، ارباب اقتدار کی نبضوں کی دھڑکنیں بڑھتی گئیں، رسالت و بشارت کے اعلانات کے باوجود سانس کی رفتار تیز ہوتی گئی کیونکہ ارباب اقتدار کو راستہ ہنوز خار دار نظر آ رہا تھا، اخوان المسلمین سب سے بڑا خار تھا، جس میں ہنوز جان باقی تھی اور اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی صلاحیت باقی تھی، چمن مصر کو اس کانٹے سے پاک و صاف کرنے کی مہم دس سالوں سے جاری تھی، مذہبی ادارے، علماء، فقہاء، شیوخ کی خدمات (فتاویٰ کفر) حاصل تھیں، امام اکبر شیخ حسن مامون ۱۹۶۵ء میں اپنا معروف فتویٰ جاری کر چکے تھے (اس فتویٰ پر علمی بحث آئندہ کی جائیگی) ان تمام کوششوں کے باوجود جس کانٹے کی جڑیں زمین کی تہوں میں جم جاتی ہیں، ان کی بیخ کنی معمولی حل سے ممکن نہیں ان کی صفائی کے لئے بڑے ٹریکٹر کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے لئے پختہ کار انشا پرداز، معتمد علیہ نثار کی خدمات ضروری تھیں جو بہت قبل آستانہ اقتدار پر سجدہ ریز ہو چکا تھا۔ اور مسابقت کے ریس میں بازی مار چکا تھا۔

۱۹۶۶ء میں احمد حسن زیات کے شدید حملات اخوان المسلمین پر شروع ہوئے، خدا ترسوں کی جماعت، نشاۃ اسلامیہ کی علمبردار جماعت حزب الشیاطین قرار دے دی گئی، اسلام اور اخوان دو متضاد اشیاء قرار دیئے گئے ۱۹۵۲ء میں جو جماعت استعماری قوتوں کیلئے برق تپاں تھی، وہ ۱۹۶۶ء میں استعماریوں کی ایجنٹ قرار دے دی گئی اور اس کا مذہب ڈالر کا مذہب قرار دیدیا گیا اور اس کا شمار خوارج میں ہونے لگا، اصل عربی متن پیش کرنے سے قبل مناسب ہوگا، اگر اردو خواں طلبہ کی سہولت کے لئے ان کا خلاصہ پیش کر دیا جائے

مجلۃ الازہر، اکتوبر ۱۹۶۶ء (جمادی الآخر ۱۳۸۶ھ، جز رابع) کا اداریہ حضرت زیات نے "یا اللہ لدینہ المظلوم" (ہائے میرے اللہ، تیرے دین مظلوم کا کیا بنے گا!) کے زیر عنوان تحریر فرمایا (ملاحظہ ہوں صفحات ۳۸۱ تا ۳۸۴) امت اسلامیہ کی تاریخ میں انتشار و فساد سلب نہب اور شکست و ریخت کی تفصیلات پر طویل تبصرہ فرماتے ہوئے موصوف رقمطراز ہیں کہ اسلامی تاریخ میں ظالم جماعتوں نے اسلام کے صاف شفاف اور ابھرے خد و خال کو مسخ کیا ہے، اسلام کو جہالت اور امن کو جنگ میں تبدیل کیا ہے، نئی جماعتیں ابھرتی رہیں اور اسلام کے معانی و مفاہیم کو بدلتی رہیں آیات قرآنی کے ذریعہ شکار کھیلتی رہیں، مسلمانوں کو کافر قرار دیتی رہیں، مومنین میں دہشت پھیلاتی رہیں، صلحا کو قتل کیا، ان میں ایک خوارج کی جماعت بھی تھی، ۱۲ سو سالوں تک یہ انتشار برقرار رہا، متحرک کائنات کا تصور بھی جاتا رہا، جمود درجمود طاری رہا، اخوان کا ظہور بھی اسی انتشار کی ایک کڑی تھی جس نے قرآن کا مفہوم اور سنت کی تعلیم یکسر بدل کے رکھدیا، توحید کا نام وثنیت قرار پایا اور اسلام کا نام جہالت دیدیا گیا، بغاوت کو عدل کہا جانے لگا، ملوک اور زعماء و قائدین کی جماعتیں مادہ پرستی میں گرفتار ہیں، خدا کو بھول بیٹھے ہیں، انھیں عرب ہونے کا مطلق احساس نہیں، یہ عرب اخلاق بھول بیٹھے! بندہ زر بن گئے، شہوت پرست ہو گئے، استعماریوں کے ایجنٹ بن گئے، ان میں اب نہ تو صیہونیت سے جنگ کا جذبہ باقی رہا نہ ہی امریکی استعماریت کے خلاف دفاع کی صلاحیت رہی۔

اخوان المسلمین، آئمہ قائدین اور ملوک جو کچھ ملک میں کر رہے ہیں، یہی سب کچھ کل خوارج کر رہے تھے ان کا اسلام سے دور دور کوئی واسطہ نہیں، یہ سب دنیا داری ہے، گمراہ کن خواہشات ہیں، حسد و بغاوت ہے، دشمنوں کی تائید و نصرت ہے، مال کی محبت ہے ان عیوب نے آج دین کا لبادہ اوڑھ لیا ہے، ان کو خلافت کا نام دیا جا رہا ہے۔"

بقیہ ص۱۶ پر

علم حدیث اور صحیح بخاری

از: ابو ظفر حسان احمد خاں ندوی ایم اے قاہرہ ریسرچ اسکالر (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ یوپی)

جمع و تدوین حدیث کا سلسلہ گو عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا مگر اس ابتدائی کوشش کو تحریک کی شکل نہ مل سکی جس کی وجہ عام طور پر بتائی جاتی ہے کہ یہ عہد نزول قرآن کا عہد تھا جس کے باعث یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں احادیث نبویہ و آیات قرآنیہ باہم خلط ملط نہ ہو جائیں چنانچہ اسی باعث کتابت حدیث کی ممانعت بھی کی گئی، ارشاد نبوت ہے من کتب عنی شیا غیر القرآن فلیمحہ یعنی قرآن کے سوا اگر اور بھی کوئی میری بات کسی نے تحریر کرلی ہے تو اس کو مٹا دے۔

اسی ممانعت کے باوجود صحابہ کرام کا ایک گروہ بڑی ہی تندہی اور بالغ نظری سے ضبط حدیث میں مشغول رہا ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ابوشاہ نامی ایک صحابی کی درخواست قبول فرماتے ہوئے فرمایا اکتبوا لأبی شاہ ابوشاہ کو لکھکر دے دو! اسی سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی شمار کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سب سے زیادہ حدیثیں مجھی معلوم ہیں ہاں حضرت سعد بن وقاص کی تو بات ہی اور ہے ان کو مجھ سے زیادہ روایتوں کا علم ہے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

تدوین حدیث کی تحریک کو اس وقت صحیح معنوں میں ہموار راستہ ملا جب جمع قرآن سے حضرات صحابہ کرام کو فرصت ملی اور یہ تحریک اس وقت اپنے شباب پر آئی جب بنو امیہ کے ممتاز خلیفہ راشد حضرت حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے براہ راست اس میں دلچسپی لی! عمر بن عبدالعزیز رح کی مساعی جمیلہ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور لوگ ہر طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر حدیث اور اس کے متعلقات کی طرف متوجہ ہو گئے، ہمیں اس عہد میں یا مسانید ملتی ہیں یا صحیفے جن میں جمع حدیث کا اہتمام تو کیا گیا ہے مگر موضوعیت اور منہجیت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے بات بھی صاف ہے کہ فن میں نکھار اور حسن پہلی کوشش سے نہیں پیدا ہوتا ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

انفرادی اور شخصی بنیادوں پر حدیث کے سلسلہ کی ساری کوششیں بیکار و عبث ثابت نہ ہوئیں بلکہ بعد کے آنے والوں کے لئے ایسی مستحکم بنیادیں ثابت ہوئیں جن پر بڑی پرکاری اور زیبائش کے ساتھ فن حدیث کا محل تعمیر ہوا، اس محل کی دیواریں اتنی مستحکم اور ٹھوس ثابت ہوئیں کہ اندرونی و بیرونی شورشوں کی ہوائیں اسے متزلزل نہ کر سکیں اور آج بھی اس کے سایہ تلے مسافران دین و ایمان چین کی نیند سو رہے ہیں عباسی عہد حکومت کو اسی بات کا فخر حاصل ہے کہ علوم اسلامیہ کا لگایا ہوا ننھا سا پودا اسی عہد زریں میں بار آور ہوا اور اس کے پھل اتنے شیریں اور تاثیر کے لحاظ سے اتنے مفید ثابت ہوئے کہ جن کا دیدار ہی حیات بخش ہے پھر سوچیے کہ ان کا ذائقہ کس درجہ حیرت انگیز لذتوں کا حامل ہوگا۔

عہد عباسی میں اسلامیات کی جو فکری اور علمی شخصیتیں گذری ہیں ان میں امام بخاری کا شمار صف اول میں کیا جاتا ہے اور فن حدیث میں تو "سالار کارواں" سے بھی ان کی تعبیر محال ہے، البتہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر انہیں علم حدیث کا عنوان کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

امام بخاری کا پورا نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ ہے کنیت ابوعبداللہ قرار پائی۔ آپ کی ولادت ۲۱ جولائی ۸۱۰ء کو شہر بخارا میں ہوئی اور آپ کا انتقال ۳۱ اگست ۸۷۰ء کو خرتنگ نامی ایک گاؤں میں ہوا۔

سال ہجری کے اعتبار سے آپ کی عمر ۶۲ سال ہوتی ہے کیونکہ سن پیدائش ۱۹۴ھ اور سن وفات ۲۵۶ھ ہے سن عیسوی اور سن ہجری کے اعتبار سے تفاوت بہرحال قائم رہے گا۔

یہاں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت فن اور کردار سے بحث مقصود نہیں ہے کیونکہ آج تک اس ضمن میں اتنا لکھا جا چکا ہے کہ مزید لکھنا اس پر اضافہ نہ ہوگا بلکہ نقل محض کے مرادف ہوگا، اس لئے آگے کی سطروں میں ہم ان کی مہتم بالشان تالیف صحیح بخاری کا سرسری تعارف کراتے ہوئے مشہور جرمن مستشرق کارل بروکلمان کی کتاب "آداب اللغۃ العربیہ" کی مدد سے بخاری شریف کی بعض اہم اور ممتاز شرحوں کی فہرست دیں گے۔

امام بخاری کی "صحیح" کا پورا نام شرف الدین بن یحییٰ النووی کی روایت کے مطابق الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ ہے۔ تالیف کی وجہ کیا تھی اس کی کہانی خود امام بخاری کی زبانی سنئے

کنا عند اسحٰق بن راھویہ فقال بعض اصحابنا لو جمعتم کتابا مختصرا فی الصحیح لسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوقع ذالک فی قلبی واخذت فی جمع ھذا الکتاب

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اسحٰق ابن راہویہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بعض دوستوں نے کہا کہ آپ لوگ احادیث صحیحہ کی کوئی مختصر کتاب ترتیب دیتے، امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں اس کتاب کی ترتیب شروع کر دی۔

بخاری شریف کی تالیف میں امام بخاری نے جس بلند پایہ استقامت اور کمال احتیاط کا ثبوت دیا ہے اس کا اندازہ ان کے اس جملہ سے کیا جا سکتا ہے کہ میں نے ۶ لاکھ حدیثوں میں سے چھانٹ کر اس مجموعہ کو مرتب کیا ہے اور اس میں ۱۶ سال لگے ہیں۔

چنانچہ اس محنت اور جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے آنے والے علماء حدیث نے صحیح بخاری کو موضوع بحث بنایا اور اپنی فکری و علمی صلاحیتوں کو اسی کتاب پر وقف کر دیا اس کا اندازہ اس فہرست سے بخوبی ہوتا ہے۔ جو ہم دے رہے ہیں۔

نام کتاب	اعلام المحدث
نام مصنف	احمد بن محمد خطابی
سن وفات	۹۹۸
کتب خانے	ایا صوفیا، خدابخش خاں پٹنہ

نام کتاب	نام مصنف	سن وفات	کتب خانے
شرح صحیح البخاری	ابن بطال قرطبی مالکی	۱۰۵۷	خدیو پاشا قاہرہ، مدینہ منورہ
تفسیر غریب ما فی الصحیحین	ابو عبداللہ محمد بن ابی نصر الاندلسی		احمد تیمور مصر
شرح صحیح البخاری (نا تمام)	شرف الدین یحییٰ النووی	۱۲۷۷	لیبزک
شرح صحیح البخاری	عبدالکریم بن عبدالنور	۱۳۳۴	برلن
التوضیح فی اعراب البخاری	محمد بن عبداللہ بن مالک النحوی	۱۲۷۳	دمشق، اسکندریہ
شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الصحیح	〃 〃 〃	〃 〃	اسکوریال جامع زیتون ٹونس ظاہریہ دمشق، آصفیہ حیدرآباد
الرموز علی صحیح البخاری	علی بن محمد الیونینی	۱۳۰۲	رضا لائبریری رام پور
الکواکب الدراری	محمد بن یوسف بن علی الکرمانی	۱۳۸۴	اسکوریال، خدابخش خاں پٹنہ، ایا صوفیا، لیبزک، جامع زیتون، آصفیہ حیدرآباد وغیرہ، قاہرہ سے حال ہی میں شائع ہو کر عام ہو گئی ہے۔
التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح	محمد بن بہادر بن علی	۱۳۹۲	پیرس، خدابخش خاں، ایا صوفیا، جامع زیتون برٹش میوزیم، اسکوریال
التوضیح الشرح الجامع الصحیح	عمر بن علی بن الملقن	۱۴۰۲	برٹش میوزیم، آصفیہ حیدرآباد اسکا ایک حصہ برلن میں بھی موجود ہے۔
	عبدالرحمن البلقینی	۱۴۲۱	ایا صوفیا قسطنطنیہ
مصابیح الجامع الصحیح	محمد بن ابوبکر الدمامینی	۱۴۲۴	جامع زیتون ٹونس
الکوکب الساری فی شرح البخاری	محمد بن احمد بن موسیٰ کفری	[illegible]	برلن
[illegible] القاری فی تعبیر البخاری	محمد بن موسیٰ الشافعی	۱۴۴۲	اسکا پہلا حصہ اسکوریال میں موجود ہے
اللامع الصحیح	محمد بن عبدالدائم البرماوی	۱۴۲۸	ایا صوفیا، جامع زیتون، پشاور
فتح الباری	ابن حجر عسقلانی	۱۴۴۸	تقریباً ہر کتب خانے اور علمی شخصیتوں کے یہاں موجود ہے
عمدۃ القاری	محمود بن احمد بن موسیٰ العینی	۱۴۵۱	〃 〃 〃
التوشیح علی الجامع الصحیح	جلال الدین السیوطی	۱۵۰۵	خدابخش خاں پٹنہ، آصفیہ حیدرآباد
ارشاد الساری	احمد بن ابوبکر القسطلانی	۱۵۱۷	چھپ کر عام ہو چکی ہے
تحفۃ الباری	شیخ الاسلام زکریا الانصاری	۱۵۲۰	جامع زیتون، آصفیہ حیدرآباد گوٹہ
بدایۃ القاری	محمد بن سلیم بن علی طبقلاوی	۱۵۶۱	مکتبہ الازہر، کتب خانہ استاذ محترم سید صفوت مصطفیٰ قاہرہ
اعراب القاری	شیخ الاسلام الہروی	۱۶۰۵	میونخ، انخبرٹ، آصفیہ حیدرآباد
النقد الثال	احمد الکردی	×	پیرس
غایۃ التوضیح	عثمان بن ابراہیم	×	انڈیا لائبریری لندن
تیسیر القاری (فارسی)	نور الحق بخاری	۱۶۶۳	لکھنؤ میں اس کی طباعت ہوئی
الخیر الجاری	محمد یعقوب البنانی	×	خدابخش خاں پٹنہ، رضا لائبریری رامپور
الکوکب الساری	علی بن حسین الموصلی	×	رام پور

مذکورہ شروح بخاری کے علاوہ اور بھی بعض اہم اور نادر کتابیں بخاری کے موضوع سے متعلق لکھی گئی ہیں جنھیں خاص طور سے ہمارے ہندوستانی علماء حدیث کا حصہ بہت زیادہ ہے گو مستقل موضوع پر کام کم کیا گیا ہے مگر اس کے متعلقات پر ایسی بھرپور بحثیں تیار کی گئی ہیں کہ جو بہت سی شروح سے مستغنی کر دیتی ہیں، بڑی ناانصافی ہوگی، اگر اس ذیل میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی شرح بخاری، فیض الباری اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی شرح بخاری اللامع الدراری کا ذکر نہ کیا جائے، مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب فیض الباری چار جلدوں میں چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کی کتاب اللامع الدراری کی ابتک دو جلدیں شائع ہوئی ہیں، مصر کے ممتاز علماء حدیث وقت نظر اور شرح مطالب کے لحاظ سے اللامع الدراری کو بعض دوسری اہم شروحوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

بقیہ: سود و زیاں کی منزلیں

کا ان سے تاوان طلب کریں، اگر امت میں احساس شعور ہوتا تو وہ ان غلط کاروں کا سختی سے محاسبہ کرتی۔

اس شعور سے میری مراد وہ اسلامی شعور نہیں جو صحابہؓ میں تھا جس کے سبب وہ اشخاص کے نہیں حقائق کے تابع فرمان ہوتے تھے۔ وہ خلفاء اور امراء کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے، اور ہر سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنا فرض اولیں سمجھتے تھے، میں تو صرف سیاسی شعور کا مطالبہ کر رہا ہوں، بلکہ اس مادی شعور سے اپیل کرتا ہوں جس کے تحت غیر مسلم انگریزی اور فرانسیسی بھی اپنے لیڈروں سے بازپرس کرتے رہتے ہیں، جب مسٹر ایڈن نے سویز کے موکہ میں شکست کھائی اور انگریز قوم کی توہین ہوئی تو انگریزوں نے ان سے استعفا طلب کر لیا اور کرسیٔ وزارت سے اتار کر گوشۂ گمنامی میں بھیجدیا۔ خوددار قوموں کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے کہ جب بھی کسی کے ہاتھوں انہیں اجتماعی رسوائی کا سامنا ہوا ہے، انھوں نے شخصی عظمت کو جماعت پر قربان کر دیا ہے، یہ انسان کی فطرت ہے، آپ کے شہر میں ——

"رمی جمرات" کی تاریخ یہی ہے کہ ہم اس سے اس نفرت کا اظہار کرتے ہیں جو ہمیں دشمنِ ازلی سے ہے جو ہماری ناکامی کا سبب بنا تھا، جس نے حضرت ابراہیمؑ کو بہکانا چاہا تھا اور جواب بھی ہماری تاک میں ہے، عربوں کی غیرت وحمیت، ان کی خودداری اور عزت نفس، ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے انہوں نے اپنے امراء اپنے صوفیا اور علماء پر کھلی ہوئی تنقیدیں کی ہیں، انہیں کلمۂ حق سے کوئی شے مانع نہیں ہوتی تھی لیکن آج ہم عرب نوجوانوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح ان ارباب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں جن کی قیادت کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں، عرب شاعر نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ ظلم کا بدلہ مغفرت اور برائی کا احسان سے دیتے ہیں

گویا اللہ نے اپنے خوف کے لئے انہیں کو بنایا ہے۔ (باقی صفحہ ۵)

مُناظرہ!

از
ابوالاسرار رمزی اٹاوی
جودھپوری

ابلیس:

سبز باغ آدم کو جنت میں دکھا سکتا ہوں میں
خاک کے پتلے کو پستی میں گرا سکتا ہوں میں

میں بچھا سکتا ہوں جال اپنا حرم کے صحن میں
جو مُوحّد ہیں انھیں مُشرک بنا سکتا ہوں میں

بوئے الفت چھین لیتا ہوں بشر کی سانس سے
عبدیت کے ساز سے نغمے چُرا سکتا ہوں میں

دوڑتا ہوں خون کی صورت بشر کے جسم میں
جُرم بن کر قلب انساں میں سما سکتا ہوں میں

مومن:

کچھ خبر ہے زور ایماں کی تجھے اے بے خبر
پھونک سے تیرے پہاڑوں کو اڑا سکتا ہوں میں

میں مسافر ہوں "امیر کارواں" میرا لقب
کارواں کو جادۂ منزل دکھا سکتا ہوں میں

مانتا ہوں باعث گمراہی انساں ہے تو!
دین و دانش کی قسم تجھ کو ہرا سکتا ہوں میں

تیرا دوزخ ہے ٹھکانا میری ممکن ہے نجات
امتحاں کے بعد پھر جنت میں جا سکتا ہوں میں

جینے کا کچھ ڈھنگ تو آئے

دوست ہی جب دشمن بن جائے
کون کسی سے آس لگائے؟

چاہے نشیمن سب جل جائے
میرے چمن پر آنچ نہ آئے

جو بھی خوشی ہو غم بن جائے
جینے کا کچھ ڈھنگ تو آئے

پاسِ محبت عین وفا ہے
چوٹ مسلسل کھاتا جائے

سر جھکتا ہے دل نہیں جھکتا
بات تو جب ہے کہ دل جھک جائے

جان فسانہ جس کی آہیں
آہ! اسی کا ذکر نہ آئے

عشق ہے رسوا غم نہیں کوئی
حسن پہ لیکن حرف نہ آئے

یہ بھی ممکن، وہ بھی ممکن
روتا جائے ہنستا جائے

ان کا تصور، ان کی یادیں
اور بھی سوزِ غم بڑھ جائے

بھولے بھالے اہل محبت
لوگوں نے الزام لگائے

درد محبت بھی کیا شے ہے
کوئی پہلو چین نہ آئے

ہائے رے میرے غم کی کہانی
سنتا جائے روتا جائے

پیار کا ساگر من کی نیا
ابھرے ڈوبے بڑھتی جائے

وارے آگے منزل جاناں
مرتا جائے، جیتا جائے

کیف ترنم پاس نہیں ہے
خاک رئیس اشعار نہیں ہے

(از رئیس الشاکری نقاوی)

بقیہ: مکتوب امریکہ

پر جو صرف ہوتا ہے وہ ہمارے غریب ممالک میں ایک متوسط خاندان کے مجموعی ماہانہ خرچ سے کہیں زیادہ ہے۔ کتوں کے اعلیٰ مہمان خانے ہیں۔ لوگ جب سفر پر باہر جاتے ہیں اور کتوں کو ساتھ نہیں لے جا سکتے تو ان کے طعام و قیام کا نظم انھیں شاندار مہمان خانوں میں کیا جاتا ہے۔ اخراجات کا تعین کتوں کی شرافت و نجابت یعنی ان کے نسلی معیار کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض کتے یعنی نام رکھنے والے اونچی نسل کے کتے۔ دو سو بلکہ ڈھائی سو ڈالر ماہانہ کے مہمان خانے میں رہتے ہیں ایک سو ڈالر ہندی سکہ کے ساڑھے سات سو روپیوں کے برابر ہے، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سگان فرنگ کے وسوں کی بھی کیا قیمت ہے۔ صوبائی اسمبلی میں اکثر ڈاگ بل (Dog Bills) پاس ہوتے ہیں جنھیں سگان اور نسل سگان کی فلاح و بہبود سے متعلق قوانین (ایکٹ) منظور ہوتے ہیں۔ یہاں آپ کو سڑکوں پر کبھی کتے بے سہارا نظر نہیں آئیں گے جس طرح ہمارے ملک میں ہوتے ہیں۔ یہاں کتے پالتو صحت مند، جاندار اور شیرنما ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اگر پالتو کتے گھر سے نکل جاتے ہیں تو نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔ چند ماہ ہوئے ریڈیو پر انتہائی المناک خبر آئی۔ سگ دو سگ نے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ دو شیر نما کتے گھر سے نکل گئے پڑوس کے کھیلتے ہوئے ۳ سالہ بچے پر حملہ آور ہوئے۔ جب تک لوگ عمل و قوت پر پہونچے بچہ بیہوش ہو چکا تھا۔ گوشت و پوست کتوں کے شکم میں اتر چکا تھا۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ اگر میں دوسرے سگ فرنگ پر بے بس "الٰہی خیر ہو" "الٰہی خیر ہو" کی ورد کرتا رہا تو کیا غیر فطری بات تھی؟

گذشتہ سے پیوستہ

یروشلم

از خاور شناس

سرکاری مناصب، سول اور عسکری

سول اور عسکری عہدوں پر راسخ العقیدہ عیسائیوں کی تقرری شروع ہوئی تاکہ تبلیغ مذہب میں سہولت ہو نیز برق رفتار اشاعت ممکن ہو، شاہ کی خوشنودی کیلئے افسران مملکت نے مذہب کی اشاعت میں شبانہ روز محنت کی، جرمنی کے فوجی کمانڈروں نے مذہب قبول کیا ان کی پیروی میں وحشی قبائل ( ) فوج در فوج مذہب میں داخل ہوگئے۔ آلپ (———) سے جب عیسائی فوجیں گذر رہی تھیں تو وہاں ایک بڑی عیسائی فوج شاہ روم کی خدمت کیلئے آمادہ اور تیار تھی، لیکن بقول گبن تبلیغ دین کا ایسا جنون رہا کہ صدیوں یورپ کا امن غارت رہا اور خون کی بارش ہوتی رہی۔[1]

تبلیغ دین کے لئے شاہ نے پادریوں کی نسل بنائی، چرچ کے احکام کی خلاف ورزی کی سزا جلاوطنی قرار دی گئی۔[2]

فوجی نفسیات کی بنیاد اشاعت مذہب پر پڑی، چونکہ یہ عقیدہ عام تھا کہ شاہ مذہب کی اشاعت کے لئے خدا کا فرستادہ ہے لہذا فوجی نصرت اور مدد فرض ہے، فوجی تلواریں اشاعت مذہب کیلئے بے نیام ہوئیں، فوجی ڈھالوں، علم (———) پر صلیب (———) کے نشانات بنائے گئے۔[3]

بلکہ عقیدہ کے ضعف کا یہ عالم ہوا کہ جسمانی حفاظت کیلئے صلیب کا ہار کے گلے میں ڈالا جانے لگا، فوجیں اب آسمانی افواج بن گئیں، اور جنگوں میں آسمان سے صلیبی فوجیں اترنے لگیں۔[4]

حد تو یہ ہے کہ آفتاب کے اندر شاہ کانسٹین ٹائن کو تابدار و آبدار متحرک نظر آنے لگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ایک جنگ میں صلیب لئے نمودار ہوگئے۔[5]

اس طرح روم میں پادریوں کا اقتدار بڑھا اور پاپائی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی آج کا ویٹیکن شہر (———) انہیں روایات کی یادگار ہے، شاہ کی بنائی ہوئی پوپ کابینہ میں تقریباً اٹھارہ سو پادری منتخب ہوکر آئے، یونان کی نشست سے ایک ہزار اور لاتینی صوبوں سے آٹھ سو پادری منتخب ہوکر آئے۔[6]

چرچ ایک مالدار ادارہ بن گیا۔[7]

کیونکہ اب شاہ، عوام اور حکومت کا مذہب ایک تھا، لاتینی پوپ سیاسی اقتدار کے مالک بن گئے۔[8]

عوامی اخلاقیات کے محافظ اب حکومت کے بجائے پادری اور چرچ بن گئے۔[9]

عیسائی بادشاہوں کے سالانہ اجتماعات منعقد ہونے لگے۔[10]

اور بشوپ (———) کی کابینہ (———) کے قوانین رومۃ الکبریٰ کے ۱۲۰ صوبوں میں نافذ کردیئے گئے۔[11]

اور بشوپ صوبائی پادریوں کا صدر بن بیٹھا، اس نے صوبائی پادریوں کو اشاعت مذہب کے متعلق احکامات و ہدایات ارسال کئے، صوبائی پادریوں کا انتخاب علاقائی الکشن کے ذریعہ ہونے لگا، روم، الکزنڈریا۔ انطاکیہ، کارتھیج، قسطنطنیہ کے پوپ نے ماتحت علاقائی پادریوں کی اسمبلی طلب کرکے تبلیغ دین پر غور و خوض شروع کیا۔[12]

کانسٹین ٹائن کے دور میں چرچ کا سب سے بڑا اجلاس دو ماہ تک منعقد ہوتا رہا جس میں شاہ خود شریک رہا، کانسل کی اجازت سے وہ مجمع کے کسی غیر ممتاز گوشہ میں عاجزانہ کسی اسٹول پر بیٹھ کر جلسہ کی کارروائی میں شرکت کرتا رہا اور اپنے آپکو مذہب کا ادنیٰ خادم تصور کرتا رہا۔[13]

کانسٹین ٹائن کی ہدایات پر سرکاری اور غیر سرکاری ادارے اشاعت دین مسیح کیلئے وقف کر دیئے گئے نتیجہ کے طور پر مختصر عرصہ میں عیسائی مذہب سارے یورپ کا مذہب بن گیا، کانسٹین ٹائن کے ناقدین قبول عیسائیت کو مصلحت بینی اور شاہ کی خود غرضی پر مبنی قرار دیتے ہیں، گبن نے اس پر طویل بحث کی ہے۔[14]

موجودہ پروٹسٹنٹ کا خیال ہے کہ شاہ کانسٹین ٹائن دانا عیار تھا، وہ عمداً اس کذب (———) کا شکار ہوا کہ مذہب کو اس نے مملکت کی توسیع اور اتحاد امم کا ذریعہ تصور کرکے اسے حصول اقتدار کا ذریعہ قرار دیا، گبن شدت سے اس نظریہ کا مخالف ہے۔[15]

وہ شاہ کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتا۔ البتہ شاہ کے اندر خوشامد کا جذبہ فطری تھا، مثلاً وہ پسند کرتا تھا کہ اسے نائب الٰہی کہا جائے، نیز پے درپے فتوحات نے اس عقیدہ کو زیادہ مستحکم کر دیا کہ عیسائی مذہب برحق ہے، جنگوں کی فتح افواج کی فتح نہیں بلکہ مذہب عیسائیت کی فتح تھی۔[16]

عیسائی مذہب پر کانسٹین ٹائن کی موت کے بعد مصائب کا پہاڑ ٹوٹا، اصنام روم نے سر اٹھائے، جولین (———) متوفی ۳۶۳ کے تخت نشین ہوتے ہی وثنی مذہب کا دوبارہ احیاء ہوا، لیکن عیسائیت اس قدر آگے بڑھ چکی تھی کہ اس کا زیر کرنا اب بس کی بات نہ تھی۔ جولین کے دور میں رومی خداؤں کے دن پھرے عیسائیوں کے برے دن آئے۔[17]

جولین کا باغ رومی خداؤں سے مرصع ہوگیا آفتاب و ماہتاب کی پوجا شروع ہوگئی، چڑھتے آفتاب پر بھینٹ چڑھانا، دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسانی خون کے چڑھاوے پھر عام ہوگئے۔[18]

(بقیہ ص۲ پر)

[1] ایضاً ص۲۲۷، ۲۲۸ - [2] ایضاً - [3] ایضاً ۲۲۹ - [4] ۲۳۱ - [5] ایضاً ۲۳۳-۲۳۴ - [6] ص۲۴۵ - [7] ایضاً ۲۵۰ - [8] ایضاً ۲۵۰ تا ۲۵۱
[9] ایضاً ۲۴۵ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ۲۴۵ تا ۲۵۶) [10] ایضاً ص۲۵۸ [11] ایضاً، [12] ایضاً [13] ۲۵۹ [14] ملاحظہ ہوں صفحات ۲۰۸ تا ۲۱۵ [15] ایضاً ۲۲۶ [16] ایضاً ۲۲۶ [17] ایضاً ۲۷۱

مکتوب امریکہ

سگ نواز تہذیب

اسلام پر تقاریر یا لیکچرز کے لیے اکثر کالجوں اور چرچوں میں جانے کا اتفاق ہوتا رہا۔ ۲۴ مارچ ۶۶ء بروز اتوار ایک یونیٹیرین چرچ (Unitarian Church) کی طرف سے بلاوا آیا۔ تقریر کا عنوان تھا "قرآن میں حضرت عیسیٰ کی شخصیت کا تصور" موضوع دلچسپ تھا۔ چرچ کی فرمائش پر کیمبرج شہر سے کوئی ۳۰ میل دور جانا تھا۔ ایک انجینئر صاحب مجھے لینے آئے ہم موصوف کے ساتھ ہولیے۔ اپنی فیملی کو ساتھ لینے کے لیے انجینئر صاحب اپنے گھر تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔

مغربی کلچر کے رسوم کے مطابق عام طور پر میزبان کے ساتھ یا تو کتے بھی دروازہ تک ساتھ آتے ہیں اور میزبان کا استقبال گرم جوشی کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں۔ انجینئر صاحب کے ساتھ میں مکان کے اندر داخل ہوا۔ کتا ساتھ رہا۔ انجینئر صاحب نے مجھے ڈرائنگ روم (جسے امریکا میں لونگ روم Living Room کہا جاتا ہے) میں بٹھا دیا اور خود معذرت کے ساتھ دوسرے کمرے میں گئے تاکہ بچوں اور بیوی کو چرچ چلنے کے لیے تیار کریں اور گرم کپڑے وغیرہ پہن کر تیار ہو جائیں۔ اب ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ ڈرائنگ روم میں میں تھا اور انجینئر صاحب کا کتا! سامنے کشن کرسیاں میز پیانو سب کچھ تھا میں کتے سے ڈرا سہما سامنے والی میز کی طرف بڑھا جس پر کتابیں پرچے اور رسائل رکھے تھے۔ رسالہ کیا اٹھاتا کہ کتے کی رفاقت و موانست کا سلسلہ شروع ہوگیا ایک طرف اس کی نجاست کا خیال دوسری طرف ڈر اور خوف کتے نے ہاتھ پیر مارنا شروع کیے۔ میری گود میں دراز ہونا شروع ہوا۔ ریش ختمی کی طرح نثار ہوا۔ ہاتھ پیر کے بوسے لیے۔ چلئے یہ سب کچھ برداشت کیا جا سکتا تھا۔ قہر درویش برجان درویش والی بات تھی "الٰہی خیر ہو" کہتا ہوا میں کھڑا ہوگیا۔ کھڑا ہونا تھا کہ مزید قیامت آئی جس قدر اللھم احفظنا پڑھتا رہا۔ اثر اس کا الٹا ہوتا رہا کیونکہ بعض اوقات "دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ" والی بات بھی غلط نہیں! ایک جست میں کتا کھڑا ہوگیا۔ اس کی پچھلی دونوں ٹانگیں زمین پر تھیں اور اگلی ٹانگیں میرے سینوں پر۔ اب وہ منہ در منہ ہے معانقہ کے لیے بے تاب ہے۔ امریکی میزبان اس حالت میں نہ صرف اسے چمکارتا۔ پیار کرتا بلکہ اسی طرح استادہ کتے سے دیر تک چمٹا رہتا جب تک کہ کتے کے جوش محبت میں کمی نہ آتی۔ بھلا میں تو یہ کرنے سے رہا۔ کتے کو یہ گمان رہا کہ شاید میں بے حس ہوں یا مریض ہوں اس لیے میرا جو عمل سرد ہے۔ لہذا ازراہ جوش و ہمدردی کتے نے میری گردن تک منہ پہونچایا بلکہ اب اس کی زبان میری پیشانی تک پہونچ چکی ہے۔ چلئے یہ سب قہر درویش برجان درویش کے ضمن میں رہا۔ اب ستم دیکھیے کہ وہ لب سے لب ملانے پر مصر ہے۔ میں سانس روکے وہی "الٰہی خیر ہو" الٰہی خیر ہو۔ ورد کرتا رہا ہوں میری حالت قابل ہمدردی نہیں بلکہ قابل رحم تھی۔ آپ کو تعجب ضرور ہوگا کہ میں بچہ نہیں مگر پھر بھی کتوں سے بے خوف! جی ہاں اگر کتے کا تعارف غائبانہ کرا دوں تو شاید آپ بھی دہل جائیں۔ میری کمر بھر تو اس کا قد ہے۔ سارا جسم بالوں کے غلاف سے ڈھکا ہوا ہے۔ بس نیم شیر ہے۔ پھر یہ کہ پہلے کبھی کتوں سے اس پیار و محبت کی نوبت بھی نہیں آئی۔

ان تمام باتوں سے زیادہ اہم بات تو یہ تھی کہ یہاں کے کتوں کو اگر جھڑکا جائے یا انہیں دھتکارا جائے تو وہ خفا ہوتے ہیں کیونکہ اسے وہ اپنی محبت کی بے حرمتی اور جانثاری کا عدم احترام تصور کرتے ہیں۔ اس خفگی میں اکثر وہ حملہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور بالخصوص جب کہ شیر نما کتا بغل گیر ہو۔ وہ بھی منہ در منہ ہو۔ دو ٹانگیں زمین پر اور دو ٹانگیں، ہمارے سینے پر۔ چونکہ محبت کا جواب ہم اس گرمجوشی سے نہ دے سکے لہذا مجبوراً خاموش کھڑے "جو مزاج یار میں" "سر نیاز خم ہے" کہتے رہے۔ خائف کھڑے رہے گوتم بدھ کی طرح بے بسی میں کھڑے رہے۔ کیونکہ یہ معلوم کرنا میرے بس کی بات نہ تھی کہ ایسے چہیتے کتوں پر زجر و توبیخ کا کیا حیوانی رد عمل ہو سکتا ہے۔ غرض ایک طرف میں جس قدر الٰہی خیر ہو کی ورد کرتا رہا بوس و کنار سگ رنگ کا سلسلہ دراز ہوتا رہا۔ جب جب کوشش کی کہ ہاتھ سے اس کے پیر و جسم کو اپنے جسم سے الگ کروں اس کی شدت گرفت بڑھتی گئی۔ آری کی طرح کھلے ہوئے دانت اور شیر جیسے چنگل۔ اس دانت، چنگل کے درمیان ایک مشرقی مہمان۔ بے بس ہو گیا ہو۔ ماحول کا تخمینی جائزہ شائد منظر کو مزید واضح کرسکے فرض ۲۰ یا ۲۵ منٹ تک پیار کی اس سرگزشت پر صفحات قلمبند کیے جاسکتے ہیں۔ آخر انجینئر صاحب تیار ہوکر "ہلو سنڈوی، شوڈی اور ریڈی" کہتے ہوئے آگے بڑھے اور ہم کسی طرح ڈرائنگ روم سے الامان الامان کہتے ہوئے۔ فطرت کی کھلی فضا میں باہر نکل آئے۔ دیر تک سانس لیتے رہے تاکہ کتے کے بغض کا احساس مٹ سکے۔ کپڑے تو ویسے بھی نجس ہو چکے۔ اس میں نماز پڑھنے کا سوال ہی کیا جب تک جیسیں روپے خرچ کرکے اس کی ڈرائی کلیننگ نہ کرائی جائے۔

درحقیقت یہ واقعہ مغربی صحافت کے بعض پہلوؤں کی طرف ذہن کو نہ صرف متوجہ کرتا ہے بلکہ اس کے تاریخی وجوہ کی طرف مائل کرتا ہے۔ مذہبیات کا طالب علم انگریزی لفظ ٹوٹزم (Totism) سے واقف ہے۔ یہ انسانی فکر کا ایک دور گزرا ہے جب انسان جانوروں کی پرستش کیا کرتا تھا اور اس پر اسی طرح نثار ہوا کرتا تھا جس طرح آج ساکنان مغرب نثار ہیں۔ جانوروں کے ساتھ ہمدردی و محبت فطری تقاضا ہے۔ ان کے افادی پہلو سے کسے انکار ہے لیکن آخر اس کی بھی کوئی حد ہے۔ شاید بوس و کنار کی حد تک پہونچنا محبت کا صریح مبالغہ ہے۔

ویسے عام شاہراہوں، پارکوں اور عوامی مقامات پر ہر دو جنس کا بوس و کنار تو یہاں غیر اہم ہے۔ ان کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ عورت کی کمر میں ہاتھ ڈال کر یا دست بدست چلنا تو معاشرہ کا جزو ہے۔ اور نسوانی نفسیات کی تسکین کا باعث بھی۔ بلکہ زیادہ واضح طور پر کہہ لیجیے کہ یہ عورت کا سماجی اور سیاسی حق ہے۔ یہ اس کی شخصیت کے تعین اور عرفان ذات کا میزانیہ ہے کہ وہ مرد کی توجہات کا مرکز کس حد تک بن سکتی ہے۔

یہ منظر اب تک ہم دیکھتے آئے تھے اس میں کیا تعجب کی بات ہوسکتی تھی لیکن سگان زنگ کا بوس و کنار ایک نئے تجربہ کا اضافہ ضرور تھا۔ ایک طرف بے بس و مجبور ہم تھے دوسری طرف میم صاحب کا کتا محبت پیار سے نچھاور کر رہا تھا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ذہن ایک اور اہم گوشہ کی طرف متوجہ ہوا۔ فلسفیانہ نہ سہی لیکن قابل توجہ ضرور ہے۔ ایک طرف اسی ملک میں جانوروں سے اس قدر محبت ہے دوسری طرف انسانوں سے نفرت ہے۔ محض اس لیے کہ وہ کالے ہیں۔ سیاہ ہیں۔ اور سفید جسم نہیں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اس ملک میں ایک کتے کی نگہداشت و پرداخت

(بقیہ ص۳۲ پر)

ایک دیدہ ور کی موت

ہندوستان کے شعری و ادبی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی جائے گی، کہ راجستھان کے مشہور استاد سخن اور مایۂ ناز شاعر حضرت سید محمود الحسن صاحب صولت ٹونکی ایک طویل علالت کے بعد ۲۹ مارچ ۱۹۶۸ء کو جمعہ کے دن بعد نماز فجر انتقال فرما گئے۔

صولت صاحب مرحوم نہ صرف ایک کہنہ مشق، اور مسلم الثبوت استاد سخن تھے، بلکہ وہ ایک دیدہ ور، ماہر فن نقاد شعر بھی تھے، نقد شعر کا ملکہ انہیں قسام ازل نے بڑی فیاضی سے عطا فرمایا تھا، قادر الکلامی، پرگوئی، اور زود گوئی میں وہ اپنی مثال آپ تھے، ان کے منہ سے جو بات نکلتی تھی وہ موزوں نکلتی تھی، بات بات پر شعر کہدینا، ان کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی، وہ پرانے اساتذہ سخن کی صحبت میں رہتے ہوئے اور ان اور ان کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے، ان کا حافظہ اس بلا کا قوی تھا کہ سیکڑوں شاعروں کی تفصیلی روداد آج بھی انھیں یاد تھی، وہ بڑے مزے لے کر پرانے مشاعروں کی رودادیں، اور قدیم اساتذہ سخن کے قصے اور لطیفے سنایا کرتے تھے، انھوں نے پچاسوں خاندانوں کو بنتے اور بگڑتے دیکھا تھا، اور بیسیوں خاندانوں کے عروج و زوال کی داستانیں انھیں ازبر تھیں، وہ ٹونک کے سماجی اور ادبی چلتی پھرتی تاریخ تھے، ہندوستان کے مشاہیر شعراء حضرت جوش، ماہر، ساغر نظامی، بسمل سعیدی، اور اعجاز صدیقی وغیرہم سے ان کے ذاتی اور گہرے روابط تھے۔ شاعری میں

مرحوم تھے یادگار عاشق ٭ تلمیذ و فا شعار عاشق

انہیں امام الشعراء حضرت کیف ٹونکی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔

ان کی وفات نے نہ صرف ٹونک کے ادبی و شعری حلقوں میں ایک بڑا خلاء پیدا کر دیا ہے، بلکہ راجستھان کی ادبی فضاؤں کو سونا کر دیا ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ ایسے دیدہ ور، نقاد شعر اور مشاق و پختہ کار شاعر کا انتقال ہوا جس کا نعم البدل تو کیا بدل ہی ملنا مشکل ہے۔

ذاتی طور پر ان کی مفارقت سے مجھے ایک اور محترم اور شفیق شخصیت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم ہو جانے کا بڑا صدمہ ہے، ان کی وفات ۳۰ مارچ کو راجستھان کی مشہور دینی درسگاہ دار العلوم خلیلیہ ٹونک میں طلبہ تعزیت اور ایصال ثواب منعقد ہوا، اس موقع پر ٹونک کے ایک نوجوان اور مقبول رومانی شاعر حضرت فاخر اعجازی نے ذیل کے قطعہ کے ذریعہ ان کی علمی ادبی اور شعری خدمات کو خراج تحسین ادا کیا۔

قطعہ

نرگس کی، نسترن کی، گل و یاسمن کی موت ٭ ایک دیدہ ور کی موت ہے سارے چمن کی موت
صولت کے بعد شوکت بزم سخن کہاں ٭ صولت کی موت، شعر و ادب علم و فن کی موت

اور ابو الوفا مولانا جلال الدین صاحب نے ذیل کا تاریخی مصرعہ کہا ہے

نقاد شعر ہائے وہ صولت سا چل دیا۔

۱۳۸۷ھ

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

فقط سوگوار

سید منظور الحسن برکاتی
لکچرار دار العلوم خلیلیہ ٹونک

سید محمد الحسنی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے شاہی پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

بقیہ یروشلم صفحہ ۲ کا

(———) کے زمانہ میں ختم ہوئی جب اس نے وثنیت کو غیر قانونی (———) قرار دیدیا۔ یہ وہ پہلا موقع تھا جب قدیم توہمات کو مٹانے کی تحریک چلائی گئی، رومی سینٹ، (———) کے قانون (———) کے مطابق بتوں دیوی اور دیوتاؤں کی پوجا غیر قانونی اور ملزم با مجرم جب سزا قرار دیا گیا، دیوی دیوتاؤں پر قربانی چڑھانا بھی قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا، اس کے بعد کیتھولک عقیدہ کی فتح ہوئی اور روم ہمیشہ کے لئے عیسائی مذہب کا محکوم ہو گیا۔ مارٹن بشپ پادریوں کی ایک فوج لے کر گال (———) کے بتوں اور چرچوں کو مسمار کرنے نکلا۔ متعدد صوبوں اور شہروں کے بت خانے اس طرح منہدم کئے گئے۔ وینس دیوی (———) کا عظیم مندر کا رقبہ میں دو میلوں تک پھیلا ہوا تھا، یہ سارے مندر چرچ میں تبدیل کر دئیے گئے۔ عوام پر خونی حملے ہوئے۔ بستیوں اور شہروں کو تباہ کیا گیا، مصر اور الکزنڈریا کے تمام مندر مسمار کر دئیے گئے۔

باقی آئندہ

بقیہ ۱۔ عرب زنغمہ شوقم ہنوز بے خبر است

سارے ملک میں ان کی اشاعت ہو رہی ہے، درحقیقت یہ امریکی ڈالر کی پوجا ہے، جو عوام کے سامنے دین کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے "دین خطرہ میں ہے" کا نعرہ لگایا جا رہا ہے، در اصل ان خود غرضوں کے عرش متزلزل ہیں، ان کے خیال میں اشتراکی اقوام ہی زلزلہ کا باعث ہیں، کیونکہ یہ مذاہب میں مساوات کے قائل ہیں حد تو یہ ہے کہ قصر رشید کے آگے خیمہ و جھوپڑی ڈالنا چاہتے ہیں، یہ لوگ عوام کو نیزوں پر مصاحف اٹھا کر لا حکم اللہ کا نعرہ بلند کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، ان کے خیال میں معاشرہ میں مساوات فطرت کے خلاف ہے اور اشتراکیت کی دعوت دینے والوں کو یہ مستحق گردن زدنی تصور کرتے ہیں، جس معاشرہ کی بنیاد یہ اشتراکی اخلاص و محبت پر رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ درحقیقت کفر ہے، اس کی بنیادوں کو ہلانا واجب ہے۔

باقی